واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ



کہہ دو! میری صلوٰۃ
میری قربانی (مراسم
عُبُودیّت) میرا جینا و مرنا
سب اللہ ربّ العلمین
کے لئے ہے

الانعام آیۃ : ۱۶۲

14

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ
وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ
وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ





الہامی ادب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ
نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا
وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ
كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ
(شوریٰ : ۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جسکی (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے۔ اور جسکی ہدایت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دی تھی (وہ یہ) کہ دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو۔ جس کی طرف (اے محمدؐ) تم مشرکوں کو دعوت دے رہے ہو وہ اُن کو سخت دشوار معلوم ہوتی ہے۔

حبل اللہ

مدیر ، محمد اعظم خان
نائب مدیر ، طارق نسیم

اس شمارے میں

ترتیب



معاونین
محمدی گل
یعقوب علی
انیس الدین
سعید احمد
ڈاکٹر طارق الرحمٰن



مقام اشاعت، خط و کتابت کا پتہ
دفتر حبل اللہ
۱۸-اے-۱ [illegible] کراچی
فون : ۳۸۵۲۳۵

تحریک کو متحرک رکھنے اور
حبل اللہ کی اشاعت ممکن بنانے کے
لئے براہ مہربانی مالی تعاون
ضرور فرمائیے۔

حدیثِ دل

گنتی کے دنوں پر مشتمل شہر رمضان نیکی اور اجروثواب کا موسم بہار' اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ خیروبرکت کا یہ ماہ مبارک جسکی فضیلت رب کائنات نے اسطرح بیان فرمائی ہے: **شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان.....** (البقرہ: ۱۸۵)

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکا پہلا عشرہ اللہ کی رحمت کا دوسرا عشرہ اسکی مغفرت کا اور تیسرا عشرہ نجات من النار کا ہے۔ فی الحقیقت انسانیت پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس کی رہنمائی کیلئے قرآن کی صورت میں حق وباطل کے درمیان فرق وامتیاز کرنے والی کتاب ہدایت نازل فرمائی اور اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سیرت کی صورت میں اپنی بندگی کا بہترین نمونہ فراہم کیا اور اسی طرح رمضان اور اسکے اندر آنے والی ایک رات "لیلتہ القدر" کے دوران خصوصی عبادات کے ذریعہ اپنی مغفرت اور بے پایاں اجروثواب کے حصول کا موقع عطا فرمایا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں ایمان واحتساب کے ساتھ صوم رمضان وقیام اللیل کے اہتمام کے ذریعے اس مہینے کی برکات کے حصول کی توفیق ملی اور اب عتق من النار کے اس آخری عشرے کے دوران لیلتہ القدر کی تلاش میں قیام وقعود کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایمان واحتساب کی مطلوبہ شرط پر پورا اترتے ہوئے اس ماہ کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کی توفیق احسن سے نوازے! (آمین)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسان کے ایمان وعقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ہی مختلف عبادات کی صورت میں ان کے تزکیہ نفس اور تعلیم وتربیت کا ایک باقاعدہ نظام عطا فرمایا ہے۔ شہر رمضان اس مقصد کے حصول یعنی سیرت وکردار اور اخلاق کی تعمیر/اصلاح کا موثر ترین ذریعہ اور رب کریم سے قربت کا سبب ہے اگر اس مہینے کے دوران یہ اصل مقصد ہی نظر سے اوجھل رہے اور عملاً یہ تقاضا پورا کرنے کی طرف توجہ نہ ہو تو اس ماہ کے روزوں سے بھوکا پیاسا رہنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

اس اعتبار سے تو یہ مہینہ روزہ داروں کیلئے گزشتہ سال کی کارگزاری کا احتساب کرنے' اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر نظر ڈالنے اور شدید احساس ندامت کے ساتھ اپنے مالک سے استغفار کرتے ہوئے آئندہ سال کی مہلت عمر میں اصلاح احوال کی منصوبہ بندی پر سنجیدگی سے غوروفکر کیلئے مخصوص ہونا چاہئے کجا کہ ایمان واسلام کے دعویدار اس مہینے کو پورے سال کیلئے مالی منفعت کی کمائی کا ذریعہ بنالیں' جیسا کہ ہمارے اس ملک پاکستان میں عملاً نظر آتا ہے۔ تاجر پیشہ لوگ اعلانیہ اس بات کا اظہار کرتے سنائی دیتے ہیں کہ یہی ایک مہینہ کمائی کا ہے بقیہ گیارہ مہینے اسی کمائی پر چلتے ہیں چنانچہ اشیائے صرف کی قیمتوں میں چڑھاؤ اور جائز وناجائز کی تمیز سے بے نیاز' اندھا دھند منافع خوری کی وہ دوڑ شروع ہوتی ہے جو ہر لحاظ سے اخلاقی گراوٹ اور اللہ سے بے خوفی کی مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم

وزر کی ایسی ہوس اور حصول معاش کی اس بے قید مسابقت سے اپنی پناہ میں رکھے! (آمین)

کتاب وسنت کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قومیں ایمان اور عقیدے کی خرابی میں مبتلا ہوتی ہیں تو وہ اخلاقی گراوٹ اور خواہشات نفس کی پیروی میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ آج روئے ارضی پر بسنے والی تمام اقوام عالم کا کم وبیش یہی حال ہے اور ان میں سب سے بڑھ کر زبو حالی کا شکار یہ نام نہاد دنیائے اسلام ہے جس پر ایک طرف اقوام عالم' اسے ترمال بھگر' پلی پڑ رہی ہیں تو دوسری طرف اسکے اپنے ہی ارباب بست وکشاد اسکو اندر سے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کھا رہے ہیں اور اسطرح یہ پستی ومغلوبیت میں گرفتار 'حسرت ویاس کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اسکی صرف اور صرف ایک وجہ ہے اور وہ ہے ایمان وعقیدہ کی خرابی۔ جس امت کو اللہ کی بندگی اور غلامی اختیار کر کے اقوام دنیا کی امامت کرنا تھی آج وہ اس سے انحراف کرنے کے بعد دنیا کی ٹھوکروں میں پڑی ہوئی ہے اور اس ذلت ورسوائی سے نکلنے کا اسے کوئی راستہ نہیں سجھائی دیتا۔ اس لئے کہ اللہ کی غلامی سے آزادی انسان کو دنیا کی ہر چیز کا غلام بنا دیتی ہے۔

برا ہو یونانی دیومالائی تصورات کی فسوں کاری کا کہ جنکی رنگینی سے بے تاب ہو کر امت مسلمہ کے افراد اپنا سب کچھ کھو بیٹھے اور اسکے احبار ورہبان کی اکثریت اسکا شکار ہو گئی۔

یونانی فلسفے نے جس کے پیچھے فی الاصل یہودی ذہن کام کر رہا تھا' انہیں ایک طرف مذہبی رنگ میں دین طریقت پیش کیا جسکی بنیاد تصوف کے نظریات 'وحدت الوجود' وحدت الشہود اور حلول پر قائم ہے' جس نے خالق ومخلوق کی تمیز ختم کر کے اسلام کے ماتھے سے اللہ کی بندگی کے ہر نقش کو مٹانے کے بعد ان کی جگہ مخلوق کی بندگی کے نقوش کو نمایاں کر دیا تو دوسری طرف اسی یہودی ذہن نے سرمایہ دارانہ نظام کے نقیب نظریۂ جمہوریت کا تحفہ دیا' جسکی بنیاد دین سے بیزاری بلکہ لادینیت اور سیکولرزم پر ہے۔ چنانچہ اس دو طرفہ یلغار سے سپر انداز ہو کر اسطرح اس امت نے مکمل طور پر اپنی پہچان کھو دی! در آں حالیکہ اس کے پاس قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی عدل اجتماعی کے وہ بنیادی اور عالمگیر اصول موجود ہیں جن کو اپنا کر یہ نہ صرف موجودہ زبوں حالی اور کسمپرسی کی کیفیت سے چھٹکارا پا سکتی ہے بلکہ ان کے ذریعے ساری انسانیت کی رہنمائی کر کے اس کو خیر کی طرف لا سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے اندر انسانوں کو انسانوں کی غلامی میں ڈالنے والے ان نظریات اور انکی سرپرستی کرنے والے دراز دستوں کے ظلم وجور کے اندر پسنے والی انسانیت کیلئے بڑی کشش اور اسکے درد کا درماں ہے۔

بس ضرورت اس بات کی ہے کہ صحیح معنوں میں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے صالح اور مخلص افراد 'اٹھیں' نبی علیہ السلام کی سنت سے خود کو آراستہ کریں پھر امت مسلمہ کی اصلاح احوال کی تحریک برپا کرنے کیلئے آگے بڑھیں' لوگوں کو اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دیں' کفر وشرک' طاغوت پرستی' اکابر وفرقہ پرستی کی لعنت سے مجتنب ہونے کی تلقین کریں۔ پھر اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تربیت وتزکیہ کا اجتماعی نظام قائم ہو۔ دراصل ان صالح افراد کی اجتماعیت خیر امت میں اسی وقت شامل ہو سکتی ہے جبکہ وہ ہر قسم کے تحفظات' دنیوی مفادات اور معاشرتی دباؤ سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف اخروی فلاح وسرفرازی کے آرزومند بنکر اس راہ میں قدم بڑھائیں اور اس ذمہ داری کا حق اسطرح ادا کر دکھائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقالا انني من المسلمين** اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اہم مسئلہ پر غور فکر اور عمل کی توفیق سے نوازے! آمین۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۳ ہجری

اختلافِ اُمّت و مُشرکانہ عقائد

تحریر: تحسین خالد

ولا تکونوا من المشرکین..... (الروم ۳۱-۳۲)

ترجمہ : "اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا' جنھوں نے اپنا اپنا دین الگ بنالیا اور گروہوں میں بٹ گئے' ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے۔"

یہ طرفہ تماشہ ہے کہ خیر امت جو ملت واحدہ بن کر اقوام عالم کی اصلاح کا بیڑہ لے کر اٹھی تھی اور جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ گروہی مسائل چھوڑ کر' نسلی تعصبات ختم کر کے' مذہبی منافرت کو مٹا کر صرف اور صرف اللہ واحد کی بندگی اختیار کی جائے۔ وہی امت بے شمار اختلافات کا شکار ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ چکی ہے اور وہ بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں بیان فرمائی تھی کہ اگر اللہ کی کتاب اور میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے' اس کو یکسر فراموش کر چکی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ذلت و مسکنت' رسوائی اور حقارت اس کا مقدر بنی ہوئی ہے' اس کی پیشانی خاک آلودہ' چہرہ روسیاہ' یاسیت کی تصویر بنی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہے۔ اب اگر کوئی کفر و شرک میں لت پت اس ملت کی اصلاح کا عزم لے کر اٹھے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کے اصل خدوخال واضح کرے تو قوم اس پر ٹوٹ پڑتی ہے کہ تم اختلافی مسائل ابھار رہے ہو' قوم کو آپس میں لڑا رہے ہو' اسے تفرقہ میں مبتلا کر رہے ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ تو پہلے ہی بہت سے فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی عجب ستم ظریفی ہے کہ جن مسائل کو اختلافی سمجھا جا رہا ہے قرآن و حدیث کی نظر میں وہ ایسے بنیادی مسائل ہیں جن پر ایمان کا دارومدار ہے اور جن پر قرآن و حدیث کا واضح فیصلہ اور اجماع سلف صالحین ہے۔ بھلا قرآن کی محکم آیات پر اختلاف اور احادیث متواترہ کا انکار کیوں کر ممکن ہے؟ آیئے ذرا دیکھیں کہ ہمارے یہاں کن کن مسائل کو اختلافی بنا دیا گیا ہے اور ان کی اصلیت کیا ہے؟ زیر بحث چند ایسے مسائل درج ذیل ہیں :

۱ - بشریت نبویؐ
۲ - وفات النبیؐ
۳ - نبیؐ کا عالم الغیب ہونا
۴ - نبیؐ پر درود کا پہنچنا اور عرض اعمال
۵ - نبیؐ کا خواب میں آنا
۶ - غیر اللہ کی پکار

۷ ۔ وسیلہ
۸ ۔ سماع موتیٰ
۹ ۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز

۱ ۔ بشریت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم : امت مسلمہ کے گروہ کثیر کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہماری' آپ کی طرح آدمی نہ تھے بلکہ مافوق الانسان (Super human) یا نوری مخلوق تھے۔ اس عقیدہ کی بنا اس طرح ڈالی گئی کہ پہلے مندرجہ ذیل آیات قرآنی کا صریحاً انکار کیا گیا :

لیس کمثلہ شیٔ..... (شوریٰ ۱۰)

ترجمہ : "اس جیسی کوئی چیز نہیں۔"

وجعل الظلمٰت والنور..... (الانعام ۔ ۱)

ترجمہ : "اور بنایا اس نے تاریکی اور نور یعنی روشنی کو"

چنانچہ قرآن کے فرمان کے خلاف پہلے اللہ تعالیٰ کو نور قرار دیا گیا (یعنی مخلوق کی فہرست میں شامل کیا گیا) حالانکہ نور کا تو وہ خود خالق ہے' پھر اللہ کے بندے اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ سلم کو اس کے نور کا ٹکڑا بنا دیا گیا (مجدد الف ثانی۔ اشرف علی تھانوی' احمد رضا خان بریلوی)۔ اس طرح براہ راست اللہ کی ذات میں شرک کیا گیا۔ عیسائیوں نے مسیحؑ کو اور یہودیوں نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک کیا تھا یعنی نطفہ کا واسطہ درمیان میں لائے تھے لیکن ان مسلمانوں نے تو اپنے نبیؐ کو بلا واسطہ اور براہ راست اللہ کا جزہی قرار دے ڈالا۔ اور اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات باری تعالیٰ میں شریک کر دیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ کے نور سے نبیؐ بنے اور پھر جو نور بچ گیا اس سے شیخین یعنی ابوبکرؓ صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بنائے گئے۔ [1]

اب اگر ان دعووں کا فرقان حمید کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو صورت حال اس کے برعکس نظر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے کہلواتا ہے کہ : ۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی..... (الکہف ۱۱۰'حٰم السجدہ ۶)

ترجمہ : "اے نبیؐ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میں تو محض تمہاری طرح کا بشر ہوں (بس فرق یہ ہے) مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔"

قرآن میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا نقل کی گئی ہے :

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک..... (البقرۃ ۱۲۹)

ترجمہ : "اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے۔"

یہ دعا بتا رہی ہے کہ نبیؐ انہی لوگوں میں سے' انہی کی اولاد میں سے منتخب کیے گئے۔ اور یہی اللہ کی سنت ہے کہ نبی اور رسول اسی قوم میں سے منتخب ہوتے ہیں جن کے ساتھ اپنی زندگی کا پچھلا تمام حصہ گزارتے رہے چنانچہ پوری قوم ان کے بہترین اخلاق اور سیرت و کردار کی معترف ہوتی ہے۔ اسی لئے ان کے زمانے کے لوگ جو امت دعوت کہلاتے ہیں ان کی بات کو ماننے سے انکار کر دیتے

---

[1] ترجمہ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی' مترجم خواجہ حافظ عبد الکریم

ہیں کہ یہ شخص نبی کیوں کر بن گیا' یہ تو ہمارے سامنے کا پلا بڑھا شخص ہے اس میں کون سی نرالی بات تھی جو اسے نبی بنادیا گیا؟ قرآن ان الزامات کو نقل کرکے ان کی تردید فرماتا ہے۔

وقالوا مال هذا الرسول...... فی الاسواق۔ (الفرقان ۷)

ترجمہ : "اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔"

اس کا جواب دیا گیا : ۔

وما ارسلنک قبلک...... فی الاسواق (الفرقان ۲۰)

ترجمہ : "ہم نے آپ سے قبل جو رسول بھی بھیجے تھے وہ بھی کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی ہوتے تھے۔"

ظاہر ہے کہ یہاں قرآن اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ نبی بشر ہی تھے اور اس اعتراض کی تردید کی جا رہی ہے کہ "بشر نبی نہیں ہو سکتا" یا نبی بشر نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح دوسری جگہ مخالفین کا اعتراض بیان کیا گیا :

فقالوا ابشر یهدوننا...... (التغابن ۶)

ترجمہ : "پس یہ کہتے ہیں کہ کیا ایک بشر ہمیں ہدایت دے گا"

ایک اور جگہ فرمایا گیا : ۔

قالوا ابعث الله بشراً رسولا...... (الاسراء ۹۴-۹۵)

ترجمہ : "کہنے لگے کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ (اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان کے پاس فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔"

اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسین میں پرانے دور کی مثال دے کر بتایا کہ آج نبی پر بشریت کا اعتراض کوئی نیا نہیں' اس سے قبل بھی ایسے ہی اعتراض ہوتے رہے ہیں۔ ہمارے تین رسولوں پر لوگوں نے یہی اعتراض کیا تھا :

ما انتم الا بشر مثلنا...... تکذبون (یٰسین ۱۵)

ترجمہ : "تم ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو اللہ نے تم پر کچھ نہیں اتارا' تم محض جھوٹ کہتے ہو۔"

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ لوگوں نے نبی کو اپنا جیسا بشر دیکھا (نہ کہ فوق البشر) جب ہی تو ایک بشر کو بہ حیثیت نبی قبول نہ کیا۔ قرآن نے ان آیات میں ان کے اس باطل موقف کی تردید کر دی۔ اب بڑا عجیب تو یہ ہے اس وقت کے لوگ اپنے جیسے بشر کو نبی ماننے کو تیار نہ ہوتے تھے تو آج کے مسلمان نبی کو بشر ماننے کو تیار نہیں (اس کو توہین رسالت قرار دیتے ہیں) لیکن قرآن نے ہر دور کے نبی کو اور بالآخر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر ہی ثابت کیا ہے اور صراحت کے ساتھ اس بات کو واضح کر دیا کہ نبوت اور بشریت لازم و ملزوم ہیں۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ کیا قرآن نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے؟ معاذ اللہ۔ دیکھئے آج مسلمانوں کے ایک فرقے نے تو نبی علیہ السلام کو نوری قرار دے کر گویا انسانیت کے زمرے ہی سے خارج کر دیا اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اللہ نے تو نوری مخلوق سے انسان کو سجدہ کرایا (البقرہ' الحجر ص وغیرہ) اور دوسرے فرقوں (دیوبندیوں اور اہل حدیث وغیرہ) نے دوسرے انداز سے نبی علیہ السلام کو فوق البشر ثابت کرنے کی کوشش کی (حیات فی القبر' سماع اور عرض اعمال وغیرہ کے عقیدہ کے تحت) جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس طرح یہ امت عقیدت و محبت کے غلو میں اہل کتاب سے بھی آگے بڑھ گئی۔

۲ ۔ **وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم** : وفات النبیؐ کا وہ مسئلہ جو قرآن و حدیث اور اجماع صحابہؓ سے متفقہ طور پر طے شدہ تھا آج "حیات النبی بعد از وفات النبیؐ" میں تبدیل ہو چکا ہے یہاں تک کہ آج موجودہ فرقوں میں سے کوئی بھی نبی کو فوت شدہ ماننے پر تیار نہیں۔ کہتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں حیات ہیں۔ آپؐ کی حیات دنیوی ہے برزخی نہیں"۔(علمائے دیوبند)[1] اور پھر مزید یہ کہ "آپؐ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی بھی فرماتے ہیں" (احمد رضا خان صاحب)[2] یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں ازواج مطہرات بھی زندہ ہیں اور بقول احمد رضا خان صاحب صرف ایک لمحہ کے لئے ان پر موت طاری کی گئی تھی۔ اسی طرح اہل حدیث علماء بھی حیات فی القبر کے عقیدہ کو مانتے ہیں[3] جس کی بحث آگے آرہی ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کی متعدد آیات کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : **کل من علیھا فان**○.... (رحمٰن ۲۶)

ترجمہ : "جو کچھ اس زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔" اور پھر اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا : ۔

انک میت وانھم میتون○.... (الزمر ۳۰) ترجمہ : اے نبیؐ آپ کو بھی موت آنی ہے اور آپ کے مخالفین کو بھی موت آئے گی"

دوسری جگہ فرمایا : ۔

وماجعلنا لبشر من قبلک الخلد.. الموت○... (الانبیاء ۳۴-۳۵)

ترجمہ : "ہمیشگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لئے نہیں رکھی تو اگر تم مر گئے تو کیا یہ ہمیشہ جیتے رہیں گے۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔"

ان آیات میں بلا تخصیص نبی یا ولی یہ بات بتا دی گئی کہ اس دنیا میں موجود ہر جان دار کو بہر حال مرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ۔

کل شئ ھالک الا وجھہ....... (القصص ۸۸)

ترجمہ : "ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ کی ذات کے۔"

کوئی مر جاتا ہے تو پھر یہ نہیں ہوتا کہ ایک آن کے بعد زندہ کر دیا جائے یا دنیاوی قبر کے اندر روح لوٹا دی جائے اور اسی گڑھے میں سوال و جواب اور عذاب و راحت کا سلسلہ شروع کر دیا جائے جیسا کہ مختلف فرقوں کا عقیدہ ہے (احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ)[4] بلکہ اسکو تو قیامت کے روز ہی اس قبر سے اٹھایا جائے گا۔ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وضاحت سے بیان فرما دیا ہے، ملاحظہ ہو۔

ثم انکم بعد ذالک لمیتون... تبعثون (المومنون ۱۵-۱۶)

ترجمہ : "پھر اس کے بعد تمہیں موت آئیگی، پھر تم قیامت کے روز ہی اٹھائے جاؤ گے"

یہاں یہ چیز واضح کر دی گئی کہ اس جسم میں جان ڈال کر اس کو روز قیامت ہی اٹھایا جائے گا۔ اس کے علاوہ قرآن کی متعدد آیات میں بغیر کسی استثناء (نبیؐ غیر نبی) سب کے لئے دو موتوں اور دو زندگیوں کے عقیدے کا ذکر کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو البقرہ ۲۸، المومن ۱۱، الزمر وغیرہ) لہٰذا تیسری زندگی کا عقیدہ قرآن کا صریح کفر ہے۔ عذاب قبر حق ہے لیکن اس دنیا میں نہیں عالم برزخ میں ہوتا

---

[1] المہند (عقائد علمائے دیوبند) مرتبہ خلیل احمد صاحب ص ۱۹ مطبوعہ قرآن محل (کراچی)

[2] ملفوظات احمد رضا خاں صاحب بریلوی حصہ سوم ص ۳۲ (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

[3] فتاویٰ نذیریہ ص ۶-۷

ہے۔ اس طرح قرآن و حدیث سے بالکل ثابت ہے کہ سوال و جواب، عذاب و راحت کا سلسلہ برزخ میں ہی ہوتا ہے نہ کہ دنیاوی قبر میں[1]۔ اس قبر میں سوال و جواب کے لئے مردہ کو دوبارہ زندگی نہیں دی جاتی۔ دیکھئے یہی بات امت کے سب سے بڑے ولی ابوبکر صدیقؓ نے نبی علیہ السلام کی وفات پر اس وقت بیان فرمائی جب شیطان نے امت میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس امت کے ولی نمبر دو کہہ رہے تھے "آپ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ ابھی دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور ان لوگوں کے (منافقوں کے جو خوشیاں منا رہے تھے) ہاتھ پیر ضرور کاٹ ڈالیں گے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ پھر ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور بوسہ دیا اور کہا کہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان، زندگی اور موت دونوں میں ہی آپ پاکیزہ رہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہ چکھائیگا۔" پھر ابوبکرؓ نکلے اور عمرؓ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا عمرؓ بیٹھ جاؤ لیکن وہ نہ بیٹھے۔ اب لوگوں نے ابوبکرؓ کی طرف توجہ کی اور عمرؓ کو چھوڑ دیا۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا "سن رکھو تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کرتا تھا اسے معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو اللہ کی بندگی کرنیوالا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے اسے موت نہیں۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وما محمد الا رسول...... الشكرين (آل عمران ۱۴۴)

ترجمہ : "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر گئے ہیں۔ کیا یہ اگر مر جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پیروں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پیروں پھر جائے وہ اللہ کو کچھ ضرر نہ پہونچا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو جزا دے کر ہی رہیگا۔"

اس طرح ابوبکرؓ نے "حیات النبی بعد از وفات النبی" کے مسئلہ کو یکسر ختم کر دیا اور تمام صحابہؓ نے آپ کے اس خطبے کو من و عن تسلیم بھی کر لیا۔ پھر بھی آج کے مسلمان قرآن و حدیث اور اجماع صحابہؓ کا کفر کرتے ہوئے نبی کو زندہ ماننے پر اصرار کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے اگر نبی ہمیشہ ہی زندہ رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اتنے سارے نبی مبعوث فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ آدم علیہ السلام کے بعد آپ کو مبعوث فرما دیا گیا ہوتا، آپ تمام جہان کو تبلیغ کرتے رہتے، بار بار نبی بھیجنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ یا کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کے خیال میں نبی علیہ السلام قبر میں زندہ ہیں تو آپ نے انہیں قبر میں کیوں مقید کر رکھا ہے باہر کیوں نہیں نکال لیتے کہ آپ اس پستی میں گری ہوئی امت مسلمہ کو سہارا دیں اور پھر سے دنیا میں اس کا کھویا ہوا اعلیٰ مقام دلوائیں۔

۳ ۔ **نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا :** قرآن مجید کے فرمان کے برعکس جو عقیدہ آج مسلمانوں کے بیشتر فرقوں میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم رکھتے ہیں (جماعت اسلامی، علمائے بریلی و تبلیغی جماعت) آپ اپنی امت کے اعمال سے باخبر رہتے ہیں (جماعت اسلامی[2]) اور صرف باخبر ہی نہیں رہتے بلکہ اکثر و بیشتر قبر مبارک سے نکل کر اصلاح امت یا کسی کو شفا دینے کی لئے ہزاروں میل کا سفر بغیر سواری کے طے کر لیتے ہیں (فضائل درود، تبلیغی جماعت[3]) اب یہ اور بات ہے کہ یہ چیز نہ صرف عقلی معیار پر پوری نہیں اترتی بلکہ قرآن کا صریح انکار ہے قرآن مجید تو بتاتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں بھی اپنے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "عذاب برزخ" از ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

[2] بحوالہ ترجمان جماعت اسلامی روزنامہ جسارت ۲۷ اپریل ۱۹۸۴ء

[3] فضائل درود، فصل پنجم ص ۱۳۱۔۱۳۲ مکتبہ اشرفیہ رائے ونڈ لاہور

نفع ونقصان پر قادر نہ تھے :

قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً... السوء (الاعراف ۱۸۸)

ترجمہ : "اے نبیؐ آپ کہدیجئے کہ میں اپنے نفع ونقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا' مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو اپنے لئے خیر کی کثرت کرلیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہونچتی"

معلوم ہوا کہ آپؐ کو غیب کا یا دور کی باتوں کا زندگی میں بھی کوئی علم نہ تھا اور سفر کے لئے سواری کی بھی ضرورت ہوتی تھی' تو کیا بعد وفات آپؐ ان تمام اسباب سے مافوق ہوگئے' عالم الغیب ہوگئے' دنیا کے ہر حصہ میں بغیر سواری کے پہونچنے لگے؟ افسوس کہ آج کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت خاص "علم غیب" میں اس کے بندے اور آخری رسولؐ کو بھی شریک کرلیا' جبکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے : ۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (الانعام ۵۹)

ترجمہ : "اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنکا علم اس کے سوا کسی کو نہیں"

مزید فرمایا : ۔

قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (النمل ۶۵)

ترجمہ : "(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا غیب کی باتیں کوئی نہیں جانتا"

اور یہ کہ

وما یشعرون ایان یبعثون (النمل ۶۵)

ترجمہ : "انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھائے جائیں گے"

یہ آیات صرف اور صرف اللہ ہی کے عالم الغیب ہونے کا اعلان کرتی ہیں اور غیر اللہ کے علم غیب کا رد کرتی ہیں خواہ وہ نبی ہو یا ولی۔ ان آیات کے خلاف عقیدہ بنانا صریح کفر ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہاں صرف نبی ہی عالم الغیب نہیں بلکہ ہر "پیر طریقت" عالم الغیب ہے' یقین نہ ہو تو ان فرقوں کے اکابرین کے فرمودات ملاحظہ کرلئے جائیں۔[1]

۴ ۔ **نبیؐ پر درود کا پہنچنا اور عرض اعمال :** ہر مسلمان صلوٰۃ کے اختتام سے قبل تشہد کے بعد اپنے لئے اور اپنے اعزا' واقربا بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے لئے محبوب ترین ہستی جو اس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لہٰذا ہر مسلم تشہد کے بعد سب سے پہلے نبی علیہ السلام کے لئے اللہ سے دعا کرتا ہے جس کو درود کہا جاتا ہے جو نبی علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق اس طرح ہے : ۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید ○ اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید ○

ترجمہ : اے اللہ رحمتیں نازل فرما محمدؐ پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمتیں نازل فرمائیں ابراہیمؑ اور انکی آل پر بے شک تو بزرگ و برتر اور لائق حمد وثناء ہے۔ اے اللہ برکتیں نازل فرما محمدؐ پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں ابراہیمؑ اور ان کی آل پر بے شک تو بزرگ برتر اور لائق حمد وثنا ہے۔"

---

[1] ملاحظہ فرمائیں "گھر کے چراغ" از ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

ہر مسلمان یہ ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کے لئے ان ہی کے سکھائے ہوئے الفاظ میں دعا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ محمدؐ اور ان کی آل یعنی ہم پر بھی اپنی رحمتیں نچھاور فرمائے۔ نبیؐ نے ان الفاظ میں مطلوبہ دعا سکھا کر یہ بات واضح کر دی کہ سب لوگوں کی طرح میں بھی اللہ کی رحمت و برکت کا محتاج ہوں اہل کتاب نے اللہ کی ذات و صفات میں انبیاءؑ کو شریک کر کے شرک کے جس شجر خبیثہ کی داغ بیل ڈالی تھی نبیؐ نے یہ دعا سکھا کے اس کی جڑ کاٹ دی۔ درود و سلام کی احادیث بلاشک و شبہ توحید کے اثبات اور شرک کے رد کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرتی ہیں۔ ستم بالائے ستم ملاحظہ ہو کہ اس امت نے اب یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ ہم اللہ سے جو دعا کرتے ہیں وہ اللہ کے پاس پہونچنے کی بجائے نبی علیہ السلام کے پاس پہونچ جاتی ہے! کہا جاتا ہے کہ جب درود پڑھا جائے یا الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے ہیں (یعنی ان کو علم غیب ہے) اور یہی نہیں بلکہ ایک کثیر گروہ کا تو یہ عقیدہ ہے کہ آپ بہ نفس نفیس قبر سے نکل کر محافل درود میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے آتے ہیں۔ غور فرمایئے کہ اگر ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر یہ درود کی محفلیں گرم ہوں تو کیا آپ بہ یک وقت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ ایک جسم رکھنے کے باوجود بہت سے مقامات پر موجود ہوتے ہیں! (عقیدہ علمائے بریلی)۔ دوسروں کا عقیدہ ہے کہ نبیؐ ہر جگہ موجود تو نہیں البتہ قریب پڑھا ہوا درود سن لیتے ہیں اور دور پڑھا ہوا درود فرشتے آپ کے پاس پہونچا دیتے ہیں (عقائد علمائے دیوبند، اہل حدیث و حنبلی وغیرہ)[1] یہ تمام گروہ اللہ کے فرمان سے کیسے بے نیاز ہیں :-

وللہ غیب السمٰوات والارض والیہ یرجع الامر کلہ (ہود ۱۲۳)

ترجمہ: "اور آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اور تمام امور اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے ....."

مگر تمام گروہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نہیں، اللہ کے پاس نہیں ہمارے درود و سلام اور اعمال تو ہمارے نبیؐ کے پاس جاتے ہیں اور وہی ان کو رد یا قبول کرتے ہیں۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت میں حصہ دار بناتے ہیں، اللہ کے ساتھ اس کے بندے اور رسولؐ کو اس کے اختیارات میں شریک کرتے ہیں اور پھر یہ غلط عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے کام خود نہیں کر سکتا بلکہ بعض چیزوں کے اجر و ثواب اور رد و قبول کی ذمہ داری اپنے بندوں کے سپرد کر دی ہے۔ معاذ اللہ۔

۵ - نبیؐ کا خواب میں آنا : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اس دنیا سے منقطع ہو جانے والے رابطے کو جوڑنے کے لئے ہمارے علماء کرام نے ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا یعنی قرآن و حدیث کی غلط تاویلات کے ذریعہ خواب کو نبیؐ کی دنیا میں آمد و رفت اور ان "عشاق" سے ملاقات کا مستقل ذریعہ بنا دیا۔ چنانچہ آپ خوابوں میں آتے ہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ ہدایات سے نوازتے ہیں، پیشگوئیاں فرماتے ہیں اور اب تو صرف نبیؐ ہی نہیں بلکہ اولیاء اللہ بھی خوابوں میں تشریف لانے لگے ہیں (تبلیغی جماعت)[2] کبھی امام بخاریؒ خوابوں میں آ کر بخاری پڑھا جاتے ہیں، کبھی علیؓ عرش پر بیٹھ کر نکاح پڑھانے لگ جاتے ہیں۔ (علامہ یوسف بنوری) کوئی صاحب دل خواب میں اپنے بختی اونٹ کا سودا کر لیتے ہیں (فضائل صدقات۔ حصہ دوم) کبھی خود نبیؐ آ کر خواب میں چالیس حدیثیں پڑھا دیتے ہیں (شاہ ولی اللہ) یہاں تک کہ کبھی خاص موقعوں پر تو رب العالمین بھی خود ہی خواب میں آ کر اپنے

---

[1] "ملاحظہ ہو عذاب برزخ" ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

[2] ماہنامہ البینات، ماہ اگست ۱۹۷۵ "بصائر و عبر"

ولیوں کو ضروری ہدایات سے نواز دیتا ہے! (سری سقطی، یوسف ہوری)[1]

خوابوں میں آمد و رفت کا یہ سلسلہ خیر القرون کے بعد اس وقت شروع ہوا جب آپؐ کے "سچے عاشقوں" نے دین اسلام پر غلبہ حاصل کرلیا اور جب ہی سے دنیا میں آپؐ کی آمد و رفت شروع ہوگئی جو اب تک جاری ہے اور اب تو ماشاء اللہ آپؐ کی زیارت کے لئے وظیفہ بھی موجود ہے۔

زیارت نبویؐ کا نسخہ : شاہ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں[2] کہ جمعرات، جمعہ کی درمیانی شب میں دو رکعت نفل پڑھے، ہر رکعت میں گیارہ مرتبہ آیت الکرسی، گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے سلام پھیرنے کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھے تین جمعہ نہیں گزریں گے انشاء اللہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوجائے گی۔ درود یہ ہے : ۔

اللھم صل علیٰ محمد النبی الامی و آلہ واصحابہ وسلم۔

افسوس! کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و محدثین رحمہم اللہ کے پاس یہ نسخہ موجود نہ تھا ورنہ ان کو اپنے دور حیات میں رونما ہونے والے فتنوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مثلاً خلیفہ ثالث کی نامزدگی کے مسئلہ پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کئی دن پریشان رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں آکر ان کی رہنمائی نہ فرمائی۔ اسی طرح جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے افسوسناک واقعات پیش آئے جس میں محض غلط فہمیوں کی وجہ سے ہزاروں صحابہؓ شہید ہوگئے مگر اس وقت بھی نبیؐ نے آکر اپنے عزیز ساتھیوں کی رہنمائی نہ فرمائی۔ محدثین کرام نے احادیث کو جمع کرکے ان کی جانچ پڑتال اور راویوں کو پرکھنے میں پوری زندگیاں لگادیں لیکن نسخہ زیارت استعمال کرکے نبیؐ سے ملاقات نہ کی ورنہ مشقت سے بچ جاتے اور بے شمار پیچیدہ مسائل چٹکی بجاتے حل ہوجاتے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ سچے محبان رسول نہ تھے ورنہ نبیؐ ان سے یہ بے اعتنائی نہ برتتے یا یہ کہ ان "عاشقین صادقین" کا درجہ نبیؐ کے نزدیک اپنے صحابہؓ، تابعین اور محدثین سے زیادہ ہے!

ان "محبان رسول" جن کے پاس آپؐ کی باقاعدہ آمد و رفت ہے کو چاہئے کہ آپؐ سے ان مسائل کے بارے میں رہنمائی حاصل کریں جن کی وجہ سے یہ امت فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور یہ فرقے باہم دست و گریباں ہیں۔ مثلاً نبیؐ کا حاضر و ناظر ہونا، آپ پر درود پیش ہونا، آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین وغیرہ۔ اور اپنے اپنے فرقوں کے برحق ہونے کی بھی نبیؐ سے تصدیق کرالیں کہ آیا بریلوی مسلک درست ہے یا دیوبندی، یا نام نہاد غیر مقلدین، یا پھر سب ہی غلط ہیں! ویسے یہ اور بات ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو چار مسلکوں کے درست ہونے کے بارے میں نبیؐ سے سرٹیفکیٹ حاصل کر ہی لیا ہے[3] اس خواب کے عقیدہ کا اگر قرآن کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عقیدہ کی عمارت بغیر بنیاد کے قائم ہے یہ عقیدہ تو آیات قرآنی کا صریح کفر کرتا ہے، کیونکہ اس کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ اول یہ کہ مرنے کے بعد بھی نبیؐ یا ولی دنیا میں آسکتے ہیں۔ دوم یہ کہ نبی یا ولی عالم الغیب بھی ہوتے ہیں کہ ان کو اگر یاد کیا جائے تو انہیں خبر ہوجاتی ہے اور وہ حاجت روائی کے لئے فوراً چلے آتے ہیں حالانکہ قرآن کے مطابق تو وہ ان باتوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ احقاف میں فرمایا کہ : ۔

وھم عن دعآئھم غافلون (الاحقاف ۵)

---

[1] ماہنامہ البینات ماہ اگست ۱۹۷۵ء "عظماء و عبر"

[2] تعلیم القرآن مصنفہ حافظ نذر احمد۔ پرنسپل شبلی کالج لاہور۔

[3] تفصیلات ملاحظہ ہوں "ایمان خالص" قسط اول مرتبہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

ترجمہ : "وہ ان کی پکاروں سے بے خبر ہیں۔" دوسری جگہ فرمایا:

والذین تدعون من دونہ...... خبر کلکم○ (الفاطر ۱۳۔۱۵)

ترجمہ : "اور جن لوگوں کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو جواب نہ دے سکیں اور وہ قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔"

اس کے علاوہ خواب کے معاملہ میں جو سوال تشنہ تاویل ہے وہ یہ کہ جب نبی یا ولی کسی کے خواب میں داخل ہونے کے لئے قبر سے باہر جاتے ہیں تو اپنی قبر سے کس طرح اور کہاں سے نکلتے ہیں؟ یہ قبر سے باہر جانے کا فعل عام مادی قوانین کے تحت ہے یا خارق الفطرت معجزہ؟ اگر مادی ہے تو مادی قوانین کے دائرہ میں اس کی توجیہ و توضیح درکار ہے اور اگر یہ فعل معجزانہ ہے تو اس کا ثبوت قرآن و صحیح حدیث سے پیش کیا جائے۔ اس کے علاوہ نبیؐ کے قبر سے باہر ہونے کے دوران اگر کوئی شخص قبر نبوی پر درود و سلام پیش کرے تو کیا وہ ضائع ہو جائیں گے؟ کیونکہ درود و سلام (ان کے عقیدہ کے مطابق) صرف نبیؐ پر ہی پیش ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نبیؐ کس وقت قبر میں موجود ہیں اور کس وقت قبر سے باہر ہیں۔ اس کے علاوہ نبی یا ولی قبر سے نکل کر چند لمحات میں ہزاروں میل کی مسافت کیسے طے کر لیتے ہیں؟ کیا وہ کسی کو قبر سے نکلتے ہوئے یا دوران سفر نظر آتے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ تصرف فی الامور نہیں جو صرف اللہ ہی کا اختیار ہے؟

۶ : غیر اللہ کی پکار: دعا و پکار بھی عبادت ہے اور یہ اللہ ہی کا حق ہے جو معبود حقیقی اور وحدہ لاشریک ہے۔ سورہ رعد میں فرمایا

لہ دعوۃ الحق...... (سورۃ الرعد ۱۴)

ترجمہ "دعا و پکار اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔"

یعنی دعا و پکار صرف اللہ رب العالمین کا حق ہے کیونکہ وہی سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور اور متصرف فی الامور ہے۔ دوسری ہستیاں، انبیا اور اولیاء جن کو مشکل کشائی و حاجت روائی کے لئے پکارا جاتا ہے وہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے، نظام کائنات میں ان کا کچھ بھی حصہ نہیں۔ فرمایا

ان الذین تدعون...... صادقین (اعراف ۱۹۴)

ترجمہ : "اللہ کے علاوہ جن کو تم (حاجت روائی، مشکل کشائی کے لئے) پکارتے ہو وہ تمہاری طرح ہی کے بندے ہیں، تم ان کو پکارو اور وہ تمہاری پکار سنیں اور جواب دیں اگر سچے ہو۔"

وہ نہ پکار سن سکتے ہیں نہ ہی کچھ کر سکتے ہیں۔ ان کو تخلیق، تصرف اور مضرت و منفعت کا کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ وہ اپنی زندگی میں بھی اللہ کے محتاج تھے اور اس کے حکم و مشیت کے آگے محض بے بس اور لاچار۔ چنانچہ فرمایا :

والذین یدعون من دون اللہ...... ایان یبعثون۔ (النحل ۲۰۔۲۱)

ترجمہ: "اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کوئی چیز بھی خلق نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں (وہ) لاشیں ہیں، بے جان، جن کو یہ تک نہیں معلوم کہ اٹھائے کب جائیں گے۔"

نادان انسان ایسی ہستیوں کو پکارتا ہے جو خود اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، وہ دوسروں کا کام کیا بنائیں گے،

ان کو تو موت وحیات پر کوئی قدرت نہیں (ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان ۳)۔ جب ان خود ساختہ معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہو تو یہ اللہ کی ڈالی ہوئی مصیبت کیسے ٹال سکتے ہیں؟ مالک کائنات کا فرمان ملاحظہ ہو :۔

ولا تدع من دون اللہ......وھو الغفور الرحیم (یونس ۱۰۶۔۱۰۷)

ترجمہ : اور اللہ کے علاوہ دوسروں کو نہ پکارو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان' اگر تم نے ایسا کیا تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تمہیں کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت سے تمہیں چھٹکارہ دلائے اور اگر وہ تمہارے لئے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی پھیرنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ وہ معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

وہ ایسا شفیق و کریم رب ہے کہ ہر مضطرب و بے قرار کی پکار ہر جگہ سے سنتا ہے اور اس کی اجابت کرتا ہے اس کی مصیبت دور فرماتا ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

امن یجیب المضطر......ءالہ مع اللہ (النمل ۶۲)

ترجمہ : کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون) اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں اگلوں کا جانشیں بناتا ہے (یہ سب اللہ ہی کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔"

رب کریم تو اپنے بندوں سے بہت ہی قریب ہے' ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کا فرمان ہے۔

واذا سالک......فلیستجیبو لی (البقرہ ۱۸۰)

ترجمہ : "اور اے (نبیؐ) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو تمہارے قریب ہی ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ پس انہیں چاہیے کہ وہ مجھ سے ہی مدد طلب کریں۔ پھر فرمایا:

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید......(ق ۱۶)

ترجمہ : اور ہم انسان کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

تف ہے اس انسان پر کہ رب کریم کے ان وعدوں' ایسی شفقت و قربت کے باوجود اس کو اپنے سے دور ہی سمجھے اور اس کی رحمت و مغفرت سے منہ پھیر کر مُردوں کو داتا و دستگیر اور غوث اعظم قرار دے' پھر انہی کو حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے پکارے! کوئی بی کو جھولیاں بھرنے والا کہے تو کوئی فریاد رسی کیلئے آستانوں پر حاضری دے۔ کوئی "بابا" اولاد دے تو کوئی کھوئی قسمت کھری کرے۔ پھر اللہ اکبر کے ساتھ مشرکانہ نعرے "نعرہ رسالت' نعرہ حیدری' نعرہ غوثیہ" ایجاد کئے جائیں اور ان کے ذریعے استعانت و استمداد کیلئے غیر اللہ کو پکارا جائے۔ کلمہ طیبہ کے ساتھ یہ کیسا غدر ہے! غور فرمایئے کہ صلوٰۃ خمسہ کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے والے دن بھر میں تیں بتیس مرتبہ اپنے رب سے کیا ہوا عہد دھراتے ہیں :۔

ایاک نعبدو ایاک نستعین......(الفاتحہ ۵)

ترجمہ : "اے ہمارے رب ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (غائبانہ) مدد طلب کرتے ہیں۔"

پھر اتنی مرتبہ عہد و پیمان باندھنے والا کسی جھنڈے والی اونچی قبر سے گزرتا ہے اس پر قبر والے "بابا" کی دہشت طاری ہو جاتی ہے' والہانہ عقیدت سے سر جھک جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً "حضرت" کے عرس کے موقع پر دور دراز کا سفر کر کے بڑے آستانے پر حاضری بھی دی جاتی ہے۔ نذرانے پیش کئے جاتے ہیں' چادر چڑھائی جاتی ہے۔ قدم قدم پر "یا رسول مدد" "یا علی مدد" کے نعرے

ہیں۔ کیسی عہد شکنی ہے! کہاں کلمہ طیبہ اور کہاں یہ نعرے' کیسا تضاد ہے! یہ جہالت ہے یا سرکشی؟ کچھ بھی سہی' بہرحال رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو مسلسل دعوت دی جا رہی ہے' معاذاً باللہ۔ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم استعمال کر کے قرآن کا مطالعہ کرے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی پکار' استعانت و استمداد کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔ سورۃ جن میں اپنے رسولؐ کے ذریعے دو ٹوک الفاظ میں اعلان کرا دیا:۔

قل انما ادعوا ربی ولآ اشرک بہ احدا...... (الجن ۲۰)

(اے نبیؐ) کہدو کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا"۔

اللہ کے رسول نے تو اپنی مشکل و مصیبت میں صرف اللہ ہی کو مدد کے لئے پکارا (نہ ابراہیمؑ کو آواز دی نہ کسی اور کو) پھر اپنے ماننے والوں کو یہی نصیحت کی :۔

و اذا سئلت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ...... (ترمذی)

ترجمہ : "تم جب بھی سوال کرو' اللہ ہی سے کرو اور جب بھی مدد مانگو اللہ ہی سے مانگو۔"

نبی علیہ السلام کی تو یہ تعلیم تھی کہ لیکن ان کی محبت کا دم بھرنے والے ان کی سنت کی پیروی اور ان کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے خالص اللہ ہی کو مدد کیلئے پکارنے کی بجائے نبی علیہ السلام کو پکارتے ہیں' کیسا ایمانی تضاد ہے یہ! نبیؐ سے محبت کا دعویٰ لیکن عملاً نبیؐ کے حکم کی پیہم خلاف ورزی! مشرکین عرب نے بیت اللہ کو غیر اللہ کی پرستش سے آلودہ کیا تو اس امت نے غیر اللہ کی پکاروں سے اپنی مساجد کو آلودہ کیا' حالانکہ ان کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ :۔

و ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا..... (الجن ۱۸)

ترجمہ : بے شک مساجد تو صرف اللہ ہی (کی عبادت) کے لئے ہیں (وہاں) اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔"

مگر ان نام نہاد "عاشقان" رسول نے تو "یا محمدؐ' یا علیؓ' یا فاطمہؓ' یا حسنؓ' یا حسینؓ" کے مشرکانہ نعروں سے اپنی مساجد کو "آراستہ" کر رکھا ہے۔

۷ وسیلہ : اب یہ بھی دیکھیئے کہ ان غیر اللہ سے استمداد کرنے والوں کو شیطان نے کیسا فریب دیا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کو رب مانتے ہو تو مدد کے لئے دوسروں کو کیوں پکارتے ہو' تو کہتے ہیں ہم ان سے مدد نہیں مانگتے بلکہ اللہ ہی سے مانگتے ہیں مگر ان کے وسیلہ سے' کیونکہ وہ احکم الحاکمین ہم گنہگاروں کی بات کہاں سنے گا؟ اس لئے ہم درجہ بدرجہ بالواسطہ (Through Proper Channal) اپنی عرضداشت کو آگے بڑھاتے ہیں اور یہ اولیاء اللہ کے پاس ہماری سفارش کر دیتے ہیں' یہ نیک اور مقدس ہستیاں مقربین بارگاہ ہیں اللہ ان کی بات کو نہیں ٹالتا (علمائے دیوبند و بریلوی)۔ اسی قسم کی توجیہہ تو مشرکین مکہ بھی کرتے تھے :۔

ویقولون ھٰؤلآء شفعآؤنا عند اللہ○ (یونس ۱۸)

ترجمہ : "اور یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔"

دیکھئے رب کریم نے ان تمام شیطانی فریب کارانہ مغالطوں کا جواب دیدیا ہے جن کا سطر بالا میں مفصل ذکر کر دیا گیا ہے۔ وہ ہر بے قرار اور مضطر کی التجا و پکار' بحر و بر میں' فضاؤں اور خلاؤں میں' ہر جگہ سنتا ہے وہ اپنے بندوں سے بہت ہی قریب ہے' شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' دلوں کے حال سے بھی واقف ہے۔ فرمایا :

وأسروا قولكم أو جهروا به، انه عليم بذات الصدور (الملک ۱۳)

ترجمہ : "اور تم (لوگ) بات پوشیدہ کہو یا ظاہر، وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے"

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہماری رگ جاں سے بھی قریب ہے، ہمارے دلوں کے حال سے بھی واقف ہے، دلوں میں اٹھنے والے وسوسوں کو بھی وہ جانتا ہے، پھر اس کا اصرار بھی ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں، تو پھر آخر ہم دوسرے سہارے کیوں تلاش کریں، اپنے اور مالک کے درمیان واسطے کی دیواریں کیوں حائل کریں؟ وسیلہ یا توسل دراصل تقریب کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے تقرب الٰہی (اور دعا کی قبولیت) کے لئے اعمال صالحہ پر زور دیا ہے۔ فرمایا :

یایها الذین اٰمنوا اتقوا الله..... تفلحون (المائدہ)

ترجمہ : "اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو (اللہ سے ڈرو) اور اس سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ"

پھر بھی اگر کوئی دعاؤں میں وسیلے واسطے پر اصرار کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی صحیح طریقہ یہ بتایا کہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ کو واسطہ بناؤ۔ فرمایا : ۔

ولله الاسماء الحسنیٰ فادعوه بها (الاعراف ۱۸۰)

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ کے اچھے نام ہیں تو اس کو اسی کے نام سے پکارو"

یعنی رحم و مغفرت کے خواستگار ہو تو یا رحمٰن، یا غفور اور اگر رزق کی ضرورت ہے تو یا رزاق کہہ کر اللہ سے دعا کرو۔ الغرض اسی سے مانگو اور اسی کی شکرگزاری کرو۔ فرمایا : ۔

فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشکروا له (العنکبوت ۱۷)

ترجمہ : "پس اللہ ہی سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو۔"

رب کریم کے ان تمام ارشادات کے بعد بھی یہ انداز اختیار کرنا کہ وہ ہم سے دور ہے اور ہم گنہگاروں کی دعا براہ راست نہیں سنتا محض ضد و ہٹ دھرمی ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن و حدیث میں جتنی بھی دعائیں آئی ہیں ان میں کہیں بھی "واسطہ یا وسیلہ" کا ذکر نہیں۔ تمام دعاؤں میں براہ راست اللہ تعالیٰ کو مخاطب کیا جاتا ہے، خواہ مسجد میں داخل ہونے یا اس سے باہر نکلنے کی دعا ہو یا سورہ فاتحہ کی عظیم دعا یا رکوع و سجود اور تشہد کی دعائیں ہر جگہ بغیر واسطہ کے رب کریم سے التجا کی جاتی ہے۔ پھر صلوٰۃ میں جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جاتی ہے اس کے بارے میں رکوع سے اٹھتے ہوئے کیسے یقین و اعتماد کے ساتھ کہا جاتا ہے۔

سمع الله لمن حمده (اللہ نے سن لی اس کی بات جس نے اسکی حمد کی)

یعنی ایک طرف تو صلوٰۃ میں اس یقین کا اظہار ہے کہ مالک الملک براہ راست اپنے بندے کی التجائیں سن رہا ہے اور صلوٰۃ سے باہر نکلتے ہی (سلام پھیرنے کے بعد) یہ بے یقینی کہ وہ بغیر واسطے وسیلے کے سنتا ہی نہیں! چنانچہ صلوٰۃ کے بعد دعاؤں میں فوراً ہی یہ انداز اختیار کر لیا گیا کہ "اے اللہ! اپنے محبوب کے وسیلہ سے میری یہ دعا قبول فرمالے، بحق فلاں وہ دعا قبول فرمالے وغیرہ" دیکھا! عمل کے اندر یہ کیسا تضاد ہے! غور کرنے کی بات ہے کہ عبد و معبود میں دوران صلوٰۃ جو تعلق پیدا ہوا تھا وہ کیوں منقطع ہوا، کس نے یہ دیواریں حائل کر دیں اور بعد پیدا کر دیا؟ کیا ہے کوئی جواب اس کا قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ؟ قطعاً نہیں، سوائے اس عذر لنگ کے کہ جناب ہم تو اتنے گنہگار ہیں کہ اس کی عظیم الشان بارگاہ میں ہماری حاضری ممکن نہیں اور بغیر سفارش کے تو ہماری توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس خام خیالی کا بھی رد فرما دیا کہ بڑے بڑے گناہوں کا بوجھ ہے تو پرواہ نہیں ابھی موقعہ ہاتھ سے نہیں

گیا :۔

یاایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا (التحریم ۸)

ترجمہ : "اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو کھلے دل سے خلوص کے ساتھ"

دوسری جگہ فرمایا :۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا ..... الغفور الرحیم (الزمر ۵۳)

ترجمہ : "اے نبی! کہو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے' وہ تو غفور الرحیم ہے۔"

یہ سب کچھ سن کر بھی جواب دیا جاتا ہے "بھائی آپ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں لیکن اگر ہم پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا "حضرت پیران پیر دستگیر" کے وسیلہ سے دعا مانگ لیں تو حرج ہی کیا ہے' ہم کوئی ان سے مانگ تو نہیں رہے' مانگ تو اللہ ہی سے رہے ہیں' ان نیک بندوں کا تو صرف وسیلہ ہے' پھر اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے"؟ واللہ! ناراضگی کی بات تو ضرور ہے۔ دیکھئے جب یہی بات مکہ کے مشرک لوگوں نے کہی تھی یعنی :۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (الزمر ۳)

ترجمہ : "ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں"

یعنی "یہ نبی و ولی ہمارے لئے محض تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں" تو اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ ہستیوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا کر پوجا پاٹ کرنے والوں کو کافر قرار دیا' پھر بھی آپ اسی روش پر مصر ہیں۔ جب رب کریم خود آپ سے یہ مطالبہ فرما رہا ہے مجھے براہ راست (بغیر وسیلہ) پکارو میں دعائیں قبول کرتا ہوں تو آخر کونسا امر مانع ہے؟ کیا اللہ اور اس کے رسول کا بتایا ہوا طریقہ پسند نہیں یا اللہ کے وعدہ پر اعتبار نہیں ؟؟

۸ ۔ سماع موتیٰ : سماع موتیٰ کے معنی ہیں مُردے کا سننا لیکن آج کل یہ اصطلاح مردے کے لئے نہیں بلکہ ان "زندوں" کے لئے استعمال ہوتی ہے جو قبر کے اندر "استراحت" فرما رہے ہیں (مردہ تو بہر حال مردہ ہی ہے' سننے و سمجھنے کی صلاحیت سے یکسر محروم)۔ دراصل آج تمام ہی فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قبر کے اندر مردہ نہیں بلکہ "زندہ لوگ" ہوتے ہیں کیونکہ قبر کے اندر اس لاشہ میں روح لوٹا دی جاتی ہے (عقیدہ احمد بن حنبل۔ ابن تیمیہ۔ ابن قیم) مزید یہ کہ مردہ اپنے دوستوں اور اہل و عیال کو جانتا ہے' زائرین کو پہچانتا ہے (ابن تیمیہ و ابن قیم) پھر اس عقیدے کے تحت بعض اور آگے بڑھے اور کہا کہ مردہ عبادت بھی کرتا ہے اور اس کی روح دنیا میں آتی جاتی رہتی ہے[1] (ابو الاعلیٰ مودودی)۔ قرآن کے مطابق تو جو مر گیا وہ اب قیامت کے روز ہی دوبارہ اٹھایا جائے گا (المومنون ۱۶) مگر یہاں تو مردہ' مردہ نہیں بلکہ زندوں سے بھی برتر و مافوق (superior) ہو جاتا ہے۔ اب جب وہ مردہ ہی نہ رہا تو پھر اس کو پکارنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اسطرح قبر والوں کے سننے اور سنانے کا ایک نہایت منظم اور شاندار سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جب ان قبر پرستی کے شائقین اور سماع موتیٰ کے قائلین کو اللہ کا فرمان پیش کیا جاتا ہے۔

انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور (الفاطر ۲۲)

ترجمہ : "اے نبی! آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان کو جو قبروں میں ہیں۔"

---

[1] ملاحظہ ہو "عذاب برزخ" ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

تو شاطرانہ انداز سے اپنے اکابرین کے مشرکانہ عقیدے کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جناب! قرآن سننے کی نفی نہیں کر رہا بلکہ یہ تو نبیؐ کے سنانے کی نفی ہے اور اللہ اپنی قدرت سے جسے چاہے سنائے" اسطرح اکابرین کے دفاع کی کوشش میں نص صریح کے

خلاف قرآن کی تاویل کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ خوب جانتے ہیں کہ یہاں قرآن کا انداز ادبانہ ہے' دعوت حق سے روگردانی کرنے والے مشرکین مکہ کو تشبیہ واستعارہ کے طور پر "مردہ" کہا گیا ہے یعنی یہ مثل مردہ ہیں' ان کے قلوب مردہ ہیں' اور مردے تو سنا نہیں کرتے تو آپ ان مردوں کو کیسے سنائیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جن کو چاہے آپ کی دعوت سنا دے یعنی ان میں سے اللہ جس کو بھی چاہے قبول حق کی توفیق عطا فرمادے۔ قرآن نے جگہ جگہ سماع موتیٰ کا رد کیا ہے جن نبیوں اور ولیوں کو اس وقت استمداد کے لئے پکارا جاتا تھا ان کی عدم سماعت کا اعلان اسطرح کیا گیا :۔

ان تدعواھم لا یسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابو الکم (الفاطر ۱۴)

ترجمہ : "اگر تم ان کو مدد کے لئے پکارو تو یہ تمہاری دعا نہیں سن سکتے اور اگر بفرض محال سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے" یہ بھی یاد رہے کہ "ولوا سمعو" (اگر سن لیں) محض طنز کے طور پر ادبانہ انداز میں کہا گیا ہے نہ کہ نص قرآنی پر شبہ پیدا کرنے کے لئے! اب اللہ تعالیٰ کے ان واضح ارشادات کے باوجود آج کے مسلمان فرماتے ہیں کہ یہ جو قبروں کے اندر ہیں یہ ہم سے خوب واقف ہیں' ہمارے اعمال سے بھی باخبر ہیں اور ہم جو دعائیں مانگتے ہیں ان کو یہ اللہ تک بغیر کسی مشکل کے پہونچا دیتے ہیں۔ اسی لئے تو قبر والوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاندار مزارات اور قبے تعمیر کئے گئے جہاں ہر سال عرس منایا جاتا ہے اور اس موقع پر خلاف شرع ہر وہ کام ہوتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا تھا۔ اسی کی پیش بندی کے لئے نبیؐ نے قبروں کو پختہ بنانے' ان پر (قبوں کی شکل میں) عمارت تعمیر کرنے اور اس طرح قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا تھا۔ قبروں پر بیٹھنے تک سے آپؐ نے منع فرمادیا۔[1] اس معاملہ میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ علیؓ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے علیؓ جاؤ جو تصویر ملے اسے مٹا دو' جو قبر زمین سے اونچی نظر آئے اسے زمین کے برابر کردو (مسلم)۔ آج دیکھئے نبی علیہ السلام کے احکام کے خلاف ہر گلی و کوچے میں پختہ قبریں' مزارات کی شکل میں موجود ہیں جہاں وہ تمام مراسم عبودیت ادا کئے جاتے ہیں' جو صرف اور صرف بیت اللہ کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ اس طرح اللہ و رسول کے احکامات کی من حیث القوم تکذیب کرتے ہوئے قبرالٰہی کو دعوت دی جارہی ہے۔ عیاذاً باللہ۔

۹ ۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز : نذر عربی زبان اور نیاز فارسی کا لفظ ہے معنی دونوں کا ایک ہی ہے' کسی کی احسان مندی کا شکریہ ادا کرنا۔ نذر و نیاز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے (کیونکہ یہ غائبانہ شکرگذاری کا طریقہ ہے) اللہ کے انسان پر اتنے احسانات ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا طیب رزق عطا فرمایا' عقل و دانش سے نوازا' اپنی مخلوقات کو ہمارے لئے مسخر فرمادیا۔

اسی مالک کا حکم ہے :۔

یایھا الذین اٰمنوا کلوا ...... ایاہ تعبدون (البقرۃ ۱۷۲)

ترجمہ : اے ایمان والو کھاؤ وہ طیب رزق جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور اللہ ہی کی شکرگزاری کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو"

---

[1] برائے تفصیلات دیکھئے "یہ مزار یہ میلے" ڈاکٹر مسعود الدین عثمانیؒ

نذر و نیاز (غائبانہ شکر گزاری) ایک عبادت ہے لہٰذا یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے۔ اللہ کے بندے تو ہمیشہ اللہ ہی کی نذر و نیاز کرتے ہیں :۔

یوفون بالنذر...... (الدھر ۷)

ترجمہ : "وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں۔" پھر وہ اپنی نذریں کس طرح پوری کرتے ہیں :۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا ○ (الدھر ۸)

ترجمہ : "اور خود طعام کی خواہش ہوتے ہوئے وہ مسکینوں 'یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں"

اللہ کے بندے اللہ کی رضا کے لئے ہی یہ سب کچھ کرتے ہیں (کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں)۔ اس کے برعکس رب کریم کی بندگی سے منحرف لوگ اللہ کے سواسب کی نذریں دیتے ہیں۔ کبھی مسیح کے نام کا کھانا تو رام کرشن کے نام کا پکوان' ان کے نام کی اور ان کی خوشنودی کے حصول کے لئے صدقہ و خیرات' ان کی مناسبت سے باقاعدہ دنوں کا تعین کر کے گویا کہ وہ انہی کے بندے ہیں اور انہی کی رضا و خوشنودی کے طالب!۔ آج اس امت مسلمہ نے بھی غیر مسلموں کے اس کلچر کو من و عن اختیار کر لیا ہے۔ ان کے یہاں بھی غیر اللہ کی نذر و نیاز کے لئے دن مقرر کر لئے گئے ہیں اور یہ کفر و شرک سے آلودہ رسم اہم ترین عبادت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ دیکھے جانے کہ کیا انداز ہے۔ یہ ۱۰ محرم کو غیر اللہ کے نام کی سبیلوں کا اہتمام 'حلیم کی تیاری اور شب بیداری' ۱۲ ربیع الاول میں عید میلاد النبی میں کرسی اور جشن اشمی کا منظر' عمدہ کھانے اور شیرینی' کاربیع الثانی میں "پیران پیر دستگیر" کی رضا و خوشنودی کا خصوصی اہتمام' بریانی وغیرہ کی دیگیں' جانور کی قربانی (عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ اہتمام) اسی طرح رجب و شعبان میں خصوصی پکوان و اہتمام۔ غرضیکہ تقریباً پورے سال غیر اللہ کی نذر و نیاز کا سلسلہ جاری رہتا ہے والہانہ عقیدت مندی کا حال یہ ہے کہ ان مبتدعانہ و مشرکانہ رسومات کے لئے اگر قرض بھی لینا پڑے تو گریز نہیں کرتے کیونکہ عقیدہ یہ ہے کہ اگر یہ نہ کیا تو "پیر" صاحب کی ناراضگی آفات و مصائب کا سبب بن سکتی ہے (کاروبار میں خسارہ' اولاد پر بیماری وغیرہ)

دیکھئے! انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو کیسے فراموش کر دیا ہے :

وان یمسسک اللہ...... لفضلہ (یونس ۱۰۷)

ترجمہ : "اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہونچانا چاہے تو کوئی نہیں جو اس کو دور کر سکے سوائے اللہ کے اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کو اسکے فضل سے روکنے والا نہیں"

یعنی نفع و نقصان اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اس کی تدبیر امر میں کوئی نبی' ولی یا پیر دخل اندازی نہیں کر سکتا' بنانے و بگاڑنے میں ان کا کوئی بھی حصہ نہیں' یہ تو اپنی جان کے لئے بھی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے۔ تصرف فی الامور میں غیر اللہ کو حصہ دار سمجھنا قرآن کا کفر اور اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ نذر و نیاز احسانمندی کا (غائبانہ) اظہار ہے اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کسی اور کا نہیں۔ کسی اور کے لئے نذر و نیاز کرنا اللہ کے حق میں دوسروں کو شریک کرنا ہے اسی لئے تو قرآن میں ایسے کھانے کو بھی قطعی حرام قرار دیا گیا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور ہستی سے منسوب کیا جائے۔ رب العالمین نے اس حرمت کو قرآن مجید میں چار جگہ بیان کر کے واضح فرما دیا ہے۔ فرمایا :

انما حرم علیکم المیتہ...... لغیر اللہ (البقرہ ۱۷۳)

ترجمہ : اس نے تم پر حرام کیا ہے مردار' بہتا ہوا خون' خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام پکارا جائے۔"

صد افسوس اس امت پر کہ اس نے اپنے پیروں اور مولویوں کے کہنے سے کتاب اللہ کے محرمات میں سے بھی کچھ کو حلال

کرلیا۔ کیا اب یہ اللہ کے اس عذاب کے مستحق نہیں جس سے اہل کتاب کو ڈرایا گیا تھا؟

أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون..... اشد العذاب (البقرہ ۸۵)

ترجمہ : "کیا تم کتاب اللہ کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے۔ تو جو یہ روش اختیار کرے اس کی سزا اس کے علاوہ اور کیا ہو کہ دنیا میں ذلت و خواری اور آخرت میں شدید ترین عذاب"

اب یہ سب کچھ سن لینے کے بعد یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے کہ "جناب! بہر حال جو شخص کلمہ گو ہو' نماز روزہ کا پابند ہو اس کو آپ اس طرح کافر کیسے قرار دے سکتے ہیں' یہ تو انتہا درجہ کی تشدد پسندی اور حکمت و تہذیب سے بے بہرہ روش ہے! دیکھئے حالی بھی اپنی مسدس میں کچھ ایسی ہی باتوں کا جواب دے گیا ہے' ایمان کے دعویداروں کے ایمان کا ایک نقشہ پیش کر گیا ہے : ۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جاجا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

تقابل کے لئے ملاحظہ ہو' قرآن نے نبی علیہ السلام کے زمانہ کے مشرکوں کا ذکر اس انداز سے کیا ہے :

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ..... یشرکون (العنکبوت)

ترجمہ : "جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو (طوفان سے نجات کے لئے) خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور جب وہ انہیں ساحل پر پہونچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں"

یعنی آڑے وقت میں اس دور کے مشرک اللہ کی طرف رجوع کر لیتے تھے لیکن پھر بھی اللہ کی نظر میں ان کے ایمان کی کوئی قدر نہیں' وہ کافر و مشرک اور ابدی جہنمی۔ لیکن آج یہ نبی کی محبت کا دم بھرنیوالے شدید گولہ باری میں بھی بغداد والے' اجمیر والے' لاہور والے داتا' دستگیر اور مشکل کشا کو آوازیں دیں اور پھر بھی ان کے ایمان و اسلام پر آنچ نہ آئے!۔ مکہ کے مشرک اولاد کے لئے اللہ سے ہی دعا مانگتے تھے مگر جب بچہ پیدا ہو جاتا تو دوسروں کو شکر گزاری کا حقدار ٹھہرا دیتے تھے' بلاشک و شبہ انتہائی ناشکرے تھے وہ کافر و مشرک۔ لیکن آج کے مدعیان توحید تو اولاد بھی غیر اللہ سے ہی مانگتے اور بچہ کی پیدائش کے بعد' غیر اللہ کے لئے کونڈا کرتے ہیں' آستانوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں' پھر بھی دور جاہلیت کے عرب مشرک اور ان پر جہنم واجب لیکن یہ موحد ہیں اور ان کے لئے

نجات کی گارنٹی ہے! ان کی گمراہی' ان کے کفر و شرک پر زبانیں تیز ہیں' لکھ لکھ کر مولوی صاحبان بیان کرتے ہیں لیکن ان کی گمراہی یا عقیدہ کی خرابی پر حرف زنی کی جائے تو ان کے مذہبی ایوانوں میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اصلاح حال کی بجائے انتقام کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ان کے مذہبی درباروں میں اضطراب کیوں نہ ہو یہی مراکز تو ساری گمراہی کے ذمہ دار ہیں۔ یہی علماء اور ان کے اکابرین ہیں جنہوں نے دراصل توحید کی بجائے اتحادی دین کو رائج کیا۔ اس امت کو اس کتاب ہدایت سے دور کر دیا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ اٰخرین (المسلم)

ترجمہ : "اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ اقوام کو بلندی عطا فرماتا ہے اور دوسروں (اسکو چھوڑنے والوں) کو پستی میں گرا دیتا ہے۔"

یہی تو ہیں جنہوں نے اس امت کو اکابر پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا کیا جس کے نتیجے میں یہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو کر ذلت و پستی کے عمیق ترین گڑھے میں پڑے سسک رہے ہیں اور کوئی بھی ان کا پرسان حال نہیں۔ اس پستی سے نکلنے کا صرف اور صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم پھر سے اندھی تقلید اور اکابر پرستی سے مجتنب ہو کر قرآن حکیم کو مشعل راہ بنائیں۔ ہمارے رب کا فرمان ہے :

ان ھٰذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم و یبشر المومنین (بنی اسرائیل ۹)

ترجمہ : "بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور بشارت ہے مومنوں کے لئے"

یہ قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے اور جو قوم اس سے فیض حاصل کرتی ہے اس کے لئے یہ دنیا میں عزت و رفعت کی بلندیوں تک پہونچنے کی ضمانت ہے اور آخرت میں اس کے لئے فلاح و کامرانی کی بشارت۔ اور بشارت بھی کیسی' وہ مژدہ جانفزا' جنتوں میں ہمیشگی کا پروانہ اور پھر رب العالمین کی طرف سے سلامتی کا پیغام :

سلام قولاً من رب الرحیم (یٰسین)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسال احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتیٰ یسالہ شسع نعلہ اذا انقطع حتیٰ یسال الملح

ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ (کتاب الدعوات)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے رب سے ہی اپنی ساری ضرورتوں کا سوال کرے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگے' یہاں تک کہ نمک بھی اسی سے مانگے۔

(انتخاب : منور سلطان)

ؔ ملاحظہ ہو رسالہ "گھر کے چراغ" ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

لوط علیہ السلام

سعید احمد

لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر نبی گذرے ہیں انکا زمانہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہے۔ مفسرین کے عام قول کے مطابق لوط علیہ السلام انکے بھتیجے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب انکی قوم نے اپنے معبودوں کا انتقام لینے کیلئے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جانے کا حکم دیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح وسلامت باہر نکل آئے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی قوم کے سامنے ایک زبردست تقریر کی اور قوم کے لوگوں کو خبردار کیا کہ آج تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کی ہستی کو فراموش کر کے اس کی جگہ بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ مگر یاد رکھو! کل قیامت کے دن تمہارے درمیان یہ تعلق قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس روز تم ایک دوسرے کا انکار ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے پر لعنت بھی کرو گے لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ آگ ہی تمہارا ٹھکانہ بنے گی اور کسی طرف سے تمہیں کوئی مدد یا حمایت حاصل نہ ہو سکے گی۔ (العنکبوت ۲۵)

اس وقت سارے مجمعے میں سے صرف لوط علیہ السلام نے انکی بات قبول کی۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے ' **فآمن له لوط** [1] '' اس وقت لوطؑ نے ان کو مانا '' (العنکبوت)

بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی انہوں نے شام و فلسطین کی طرف ہجرت کی اور پھر '' سدوم '' کے مقام پر آ گئے جو کہ بڑا سرسبز مقام تھا۔ لوط علیہ السلام کے تفصیلی حالات قرآن میں سورۃ ھود (آیات ۷۷ تا ۸۳)' سورۃ الحجر (آیات ۵۸ تا ۷۷) سورۃ الشعراء (آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵) سورۃ العنکبوت (آیات ۲۶ تا ۳۵) اور سورۃ القمر (آیات ۳۳ تا ۴۰)' میں بیان کئے گئے ہیں اور اجمالی طور پر سورۃ الاعراف ' النمل ' الانبیاء ' الصافات اور الذاریات میں انکا ذکر کیا گیا ہے۔

آج قوم لوط کا علاقہ بالکل تباہ شدہ حالت میں ہے۔ بحیرہ مردار (Dead Sea) کے جنوب اور مشرق میں یہ علاقہ انتہائی ویران

---

[1] ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت سے پہلے لوط علیہ السلام شرک کی حالت میں تھے۔ بلکہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور انکی پیروی اختیار کی۔ ایمان کے ساتھ جب '' ل '' کا صلہ آتا ہے تو اس کے معنی کسی شخص کی بات ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کے ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا **فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علیٰ خوف من فرعون......** کہ '' موسیٰ کو انکی قوم میں سے چند نوجوانوں کے علاوہ کسی نے نہ مانا فرعون کے ڈر سے ..... (یونس ۸۳) ممکن ہے کہ لوط علیہ السلام اس وقت ایک نو عمر لڑکے ہوں اور اپنے ہوش میں ان کو پہلی ہی مرتبہ اپنے چچا کی دعوت اور ان کے منصب رسالت سے آگاہ ہونے کا موقع ملا ہو۔

اور سنسان حالت میں پڑا ہوا ہے۔ خاص طور پر اس کے جنوبی حصے کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجے ویرانی اور وحشت پائی جاتی ہے جو کہ روئے زمین پر کہیں نہیں دیکھی گئی' آج بھی اس علاقے میں بکثرت پرانی بستیوں کے کھنڈرات کی موجودگی یہ بتاتی ہے کہ یہ کسی زمانے میں نہایت آباد علاقہ رہا ہو گا۔ یہاں سینکڑوں برباد شدہ بستیوں کے آثار ملتے ہیں۔ اس علاقے کا سب سے زیادہ آباد اور سرسبز و شاداب حصہ وہ تھا جسے سدیم کی وادی کہا جاتا تھا۔ آثار قدیمہ کے محققین کی رائے بھی یہ ہے کہ یہ وادی اب بحیرہ مردار کے اندر غرق ہے یہ رائے مختلف آثار کی شہادت سے قائم کی گئی ہے زمانہ قدیم میں بحیرہ مردار جنوب کی طرف اتنا وسیع نہ تھا جتنا کہ اب ہے' یہ وادی سدیم جس میں قوم لوطؑ کے بڑے بڑے شہر سدوم' عمورہ' ادمہ' ضبوئیم اور ضغر واقع تھے دو ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں ایک زبردست زلزلے اور آتش فشانی انفجار کی وجہ سے پھٹ کر دب گئی اور بحیرہ مردار کا پانی اس پر چھا گیا۔ آج بھی یہ بحیرے کا سب سے زیادہ اتھلا حصہ ہے پانی میں ڈوبے ہوئے جنگلات بھی صاف نظر آتے ہیں' یہ بھی شبہ ہے کہ پانی میں کچھ عمارات ڈوبی ہوئی ہیں۔

اس علاقے میں جگہ جگہ پٹرول' اسفالٹ اور آتش گیر گیس پائے جاتے تھے اب بھی یہاں زیر زمین پٹرول اور گیسوں کا پتہ چلتا ہے' طبقات الارض (جیالوجی) کے مشاہدات سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ زلزلے کے شدید جھٹکوں سے پٹرول' گیس اور اسفالٹ زمین سے نکل کر بھڑک اٹھے اور سارا علاقہ بھک سے اڑ گیا۔ بائبل (کتاب پیدائش باب ۱۹) کا بیان ہے کہ اس تباہی کی اطلاع پا کر جب ابراہیم علیہ السلام حبرون سے اس وادی کا حال دیکھنے آئے تو زمین سے دھواں اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے بھٹی کا دھواں ہوتا ہے۔

قوم لوطؑ پر یہ عذاب اللہ کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی' غیر فطری عمل اور اللہ کے نبی لوط علیہ السلام کو جھٹلانے کے باعث آیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خوشحالی' فراخی اور اپنے بڑے بڑے متمدن سرسبز علاقوں نے انکو اللہ کا باغی اور سرکش بنا دیا تھا یہ قوم ایمان کے فقدان کے ساتھ اخلاقی فساد کی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی۔

اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ لوگ سخت ظالم' دھوکہ باز اور بدمعاملہ تھے کوئی مسافر انکی بستیوں سے بخیریت نہ گزر سکتا تھا' کوئی غریب یہاں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں پا سکتا تھا۔ ایسا بھی ہوتا کہ باہر کا آدمی ان کے ہاں آ کر فاقوں سے مر جاتا اور یہ اسکے کپڑے تک اتار کر اسکی لاش کو برہنہ دفن کر دیتے' بیرونی تاجر اگر شامت کے مارے وہاں چلے جاتے تو برسرعام لوٹ لیے جاتے اور انکی فریاد کو ٹھٹھوں میں اڑا دیا جاتا۔

ایک مرتبہ ایک غریب آدمی کہیں سے اس شہر میں آیا اور کسی نے اس کو کھانے کو کچھ نہ دیا وہ فاقے سے بدحال ہو کر ایک جگہ گرا پڑا تھا کہ لوط علیہ السلام کی بیٹی نے اسے دیکھ لیا اور اسکے لیے کھانا پہنچایا اس پر لوط علیہ السلام اور انکی بیٹی کو سخت ملامت کی گئی اور انہیں دھمکیاں دی گئیں کہ ان حرکتوں کے ساتھ تم لوگ ہماری بستی میں نہیں رہ سکتے۔ ایک مرتبہ بی بی سارہؓ نے لوطؑ کے گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اپنے غلام ایلعزر کو سدوم بھیجا جب وہ شہر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک سدومی ایک اجنبی کو مار رہا ہے ایلعزر نے اسے شرم دلائی کہ تم بے کس مسافروں سے یہ سلوک کرتے ہو مگر جواب میں سر بازار ایلعزر کا سر پھاڑ دیا گیا۔

سب سے بڑھ کر دنیا بھر میں انکی اس برائی میں انفرادیت تھی کہ وہ مردوں سے اپنی خواہش نفس پوری کیا کرتے تھے۔ اپنی وادی کو انہوں نے ایک باغ بنا رکھا تھا جسکا سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا اس میں وہ انتہائی بے حیائی کے ساتھ اعلانیہ یہ بدکاریاں کیا کرتے تھے لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا ان کو ٹوکنے والا نہ تھا وہ ان کو شرم دلاتے تھے کہ۔

"اَنکم لتاتون الرجال و تقطعون السبیل ○ و تاتون فی نادیکم المنکر" (العنکبوت ۲۸۔۲۹)

ترجمہ۔ یہ تمہارا کیا حال ہے کہ (خواہش نفس پوری کرنے کے لئے) مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں کھلے عام برے کام کرتے ہو۔

اور کبھی یوں سمجھاتے کہ۔

انکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء' بل انتم قوم مسرفون (الاعراف آیت ۸۱) ترجمہ۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش نفس پوری کرتے ہو! حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل حد سے گذر جانے والی قوم ہو۔ سورہ الشعرا میں فرمایا گیا۔ "اور لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے یہ کہا تھا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں (اس دین کی دعوت کے کام پر) تم سے کسی معاوضے کا طلب گار تو نہیں' میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں جو تمہارے رب نے پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم لوگ تو (بے حیائی کی) کی حد سے ہی گذر گئے ہو۔" (ترجمہ آیات ۱۶۰ تا ۱۶۶)

یعنی ساری مخلوق میں سے تم ہی نے مردوں کو خواہش نفس پوری کرنے کے لئے پسند کیا ہے حالانکہ دنیا میں بکثرت عورتیں موجود ہیں دنیا میں کوئی اور قوم ایسی نہیں جس کا طرز عمل یہ ہو بلکہ حیوانات میں سے بھی کوئی جانور یہ کام نہیں کرتا یہی سورہ الاعراف اور سورہ العنکبوت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

اتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بھا من احد من العالمین ○

ترجمہ۔ "تم تو وہ برا کام کرتے ہو جو دنیا کی مخلوق میں سے کسی نے تم سے پہلے نہیں کیا۔" لوط علیہ السلام انہیں سمجھاتے رہتے تھے لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ:

قالوا لئن لم تنتہ یالوط لتکونن من المخرجین ○ (سورہ الشعرا آیت ۱۶۷)

ترجمہ: انہوں نے کہا "اے لوطؑ اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو تو بھی ہماری بستی سے نکالے گئے لوگوں میں شامل ہو کر رہے گا۔"

لوط علیہ السلام جب انہیں سمجھاتے کہ اگر تم یہ اپنے بے حیائی اور برائی کے کام نہ چھوڑو گے تو تم پر اللہ تعالیٰ اپنا زبردست عذاب نازل کرے گا جس سے تم کو کوئی نہیں بچا سکے گا تو اپنے سچے خیر خواہ کی بات مان کر اللہ کی نافرمانی چھوڑ دینے کے بجائے ڈھٹائی سے یہ کہتے تھے۔

ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین (العنکبوت آیت ۲۹)

ترجمہ۔ "لے آؤ اللہ کا عذاب اگر تم سچ کہہ رہے ہو۔"

یعنی وہ اللہ کے عذاب کو گوارا کر سکتے تھے لیکن افعال خبیثہ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اعلانیہ کہتے تھے کہ

اخرجوا آل لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون ○ (النمل ۵۶)

ترجمہ۔ "اپنی بستی سے لوطؑ کے گھر والوں کو نکال دو' یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔"

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اس بستی میں ہم جیسے عناصر ہی رہ سکتے ہیں کسی مصلح کو ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ نیک لوگ تو مذہبی قیود لگا کر ہمارا جینا ہی محال کر دیں گے لہٰذا انہیں چلتا کر دیا جائے تاکہ ہماری تہذیب و تمدن جمہور کی خواہشات کے مطابق چلے اور کوئی اس راہ میں روڑے اٹکانے والا نہ رہے۔ جب حالت یہاں تک پہنچ جائے اور قوم کا اجتماعی طرز عمل یہ بتا دے کہ وہ اپنے سچے خیر خواہ کو برداشت کرنے کے لئے قطعی تیار نہیں ہیں تو پھر اللہ کی سنت کے مطابق ایسی قوم پر عذاب کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے' وہ

قوم صفحہ ہستی سے مٹادی جاتی ہے۔ جب اس قوم کے جرائم حد سے بڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ جانچ لیا کہ ان میں کوئی صالح عنصر باقی نہیں رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا یہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کو دوسرے بیٹے یعنی اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے گئے جب ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دے چکے تو انہوں نے پوچھا۔

"اے فرستادگان الہی! وہ مہم کیا ہے۔ جس کے لئے آپ آئے ہیں؟" وہ بولے "ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں صرف لوط علیہ السلام کے گھر والے مستثنیٰ ہیں ان سب کو ہم بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے جس کے لئے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم نے مقدر کردیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔" (سورۃ الحجر آیات ۵۷-۶۰) یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم پر عذاب موخر کرنے کے لئے التجا کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما ذھب عن ابراھیم الروع وجآءتہ البشرٰی یجادلنا فی قوم لوط ○ ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب ○ (ھود ۷۴-۷۵)

ترجمہ "پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور (اولاد کی) بشارت سے اس کا دل خوش ہو گیا تو اس نے قوم لوطؑ کے بارے میں ہم سے جھگڑا شروع کردیا۔ حقیقت میں ابراہیمؑ بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔"

لیکن اس قوم کے حق میں جس کے جرائم کا پیمانہ اس قدر لبریز ہو چکا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام جیسے باخبر آدمی کے سامنے اس کا نام لینے کی قطعاً ضرورت نہ تھی بس "ایک مجرم قوم" کہہ دینا کافی تھا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سفارش بھی کچھ کام نہ آسکی چنانچہ ان سے کہہ دیا گیا۔

یٰآبراھیم اعرض عن ھذا انہ قد جآء امر ربک وانھم اٰتیھم عذاب غیر مردود ○ (ھود ۷۶)

ترجمہ۔ اے ابراہیمؑ اس سے باز آجاؤ' تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں پر وہ عذاب آکر رہے گا جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا۔

جب فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ گھبرا گئے کیونکہ یہ خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب سے پہلے اتمام حجت کے لئے انہیں اس شکل میں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولما جآءت رسلنا لوطًا سیٓء بھم وضاق بھم ذرعا وقال ھذا یوم عصیب ○ (ھود آیت ۷۷)

ترجمہ۔ اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ ان کی آمد سے بہت گھبرایا اور تنگ دل ہوا اور کہنے لگا آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔

چونکہ لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بدمعاشی سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے سخت پریشان ہوئے کہ آئے ہوئے مہمانوں کو واپس بھی نہیں کیا جا سکتا اور انہیں ان بدمعاشوں سے بچانا بھی سخت مشکل ہے کیونکہ لوط علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ یہ فرشتے ہیں (یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے ورنہ ظاہر ہے کہ لوطؑ پریشان نہ ہوتے) ان مہمانوں کی خبر پاتے ہی بستی کے لوگ لوط علیہ السلام کے گھر پر جمع ہو گئے اور ان سے تقاضا کیا کہ اپنے مہمانوں کو بدفعلی کے لئے ہمارے حوالے کردیا جائے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس قوم کی اخلاقی خباثت کس حد تک پہنچ گئی تھی۔ بستی کے ایک شخص کے ہاں چند خوبصورت مہمانوں کا آجانا اس بات کے لئے کافی تھا کہ اس کے گھر پر اوباشوں کا ایک ہجوم امنڈ آئے اور اعلانیہ وہ اس سے مطالبہ کریں کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالے کردے' اس پوری آبادی میں کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جو ان حرکات کے خلاف آواز اٹھاتا لوط علیہ السلام جیسے مقدس اور معلم اخلاق انسان کے گھر پر بھی جب بدمعاشوں کا حملہ اس بے باکی سے ہو سکتا تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام انسانوں کے ساتھ ان بستیوں میں کیا کچھ نہ ہوتا ہو گا۔

لوط علیہ السلام نے ان کی بے انتہا منت سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز رہیں۔ انہوں نے کہا۔ "میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں۔ کچھ اللہ کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟"[1] (ھود ۷۸)

لیکن قوم والے اس قدر خباثت نفس میں ڈوبے ہوئے تھے کہ مطابق فطرت پاکیزگی کی راہ کے بجائے ان کی ساری رغبت اور تمام دلچسپی اب اسی خلاف فطرت اور گندی راہ میں ہی تھی لہٰذا انہوں نے جواب دیا۔

"تجھے تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں۔" (ھود ۷۹)

یہ بھی کہا کہ **اولم ننھک عن العالمین○** (الحجر ۷۰) ترجمہ۔ کیا ہم بارہا تجھے منع نہیں کر چکے کہ دنیا بھر کے ٹھیکیدار نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اس وقت کا نقشہ کھینچتا ہے کہ

"لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون○" (الحجر آیت ۷۲)

ترجمہ۔ "تیری جان کی قسم اے نبی! اس وقت ان پر ایک نشہ سا چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے۔"

آخر جب لوط علیہ السلام ان کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے تو غصے اور حسرت سے کہا **"قال لو ان لی بکم قوۃ او اٰوی الی رکن شدید○"** (ھود ۸۰)

ترجمہ۔ کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی (کہ میں تمہیں سیدھا کر دیتا) یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اس کی پناہ لیتا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوط علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام کو بخشے وہ مضبوط سہارے کی پناہ چاہتے تھے۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ولوطا اذ قال لقومہ......)

اس وقت ان فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو اندر بلا لیا اور دروازہ بند کر کے ان پر اپنا راز فاش کیا اور فرمایا

"اے لوطؑ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ لوگ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے بس آپ کچھ رات رہے اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جائیں اور دیکھنا تم میں سے کوئی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں جائے گی) کیونکہ اس پر بھی وہی گزرنا ہے جو ان لوگوں پر گزرنا ہے۔ ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے اور صبح ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔" (ھود : ۸۱)

"ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ ہی آئے ہیں۔ لہٰذا اب تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے...... صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔" (الحجر ۶۳ تا ۶۶)

کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیوی چونکہ ان پر ایمان نہیں لائی تھی لہٰذا اس کا حشر اپنی قوم ہی کے

---

[1] بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "میری بیٹیاں" سے مراد قوم کی لڑکیاں ہیں، ان کی اپنی بیٹیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ بہرحال لوطؑ کی قومی بیٹیاں مراد ہوں یا ان کی اپنی دونوں صورتوں میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ انہوں نے ان سے زنا کرنے کے لئے کہا ہوگا۔ "ھن اطھر لکم" (یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں) کے جملے میں ایسا غلط مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں لوط علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ اپنی شہوت نفس کو اس فطری اور جائز طریقے سے پوری کرو جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں، یاد رہے کہ یہ باتیں ایک شریف انسان کی زبان پر اس وقت آئیں جبکہ وہ بالکل تنگ آ چکا تھا اور بدمعاش لوگ اس کی ساری منت سماجت سے بے پرواہ ہو کر ان کے مہمانوں کو حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔

ساتھ ہوا اور نبی کی بیوی ہونا اس کے کچھ کام نہ آسکا۔ پلٹ کر نہ دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ وقت اس ظالم قوم سے نجات کا ہے تماشا دیکھنے کا نہیں ایسا نہ ہو کہ جو رقبہ عذاب کے لیے نامزد کیا جا چکا ہے آپ تماشا دیکھنے میں مصروف ہو کر مقررہ وقت تک اس میں سے نہ نکل پائیں لہٰذا بغیر پیچھے مڑے جلد از جلد اس جگہ سے دور نکل جائیں۔ باہر لوگ منصوبہ بنا رہے تھے کہ کس طرح ان لڑکوں کو حاصل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا۔

ولقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینھم فذوقوا عذابی ونذر○" (القمر ۳۷)

ترجمہ۔ پھر انہوں نے اسے اپنے مہمانوں کی حفاظت سے باز رکھنے کی کوشش کی تو ہم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں چکھو مزا اب میرے عذاب اور میری تنبیہات (سے نہ ڈرنے) کا۔

وہ دروازہ ڈھونڈتے تھک گئے اور بالآخر واپس چلے گئے صبح ہوتے ہی اللہ کا خوفناک عذاب ان پر جاری ہو گیا۔

"**فاخذتھم الصیحۃ مشرقین**" (صبح سویرے ہی ایک زبردست دھماکے نے ان کو آلیا" (الحجر ۷۳)

"**فلما جآء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود**○" (ھود : ۸۲)

ترجمہ۔ پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آن پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے۔ زبردست طوفانی ہوا سے بھی ان پر پتھر برسائے گئے (القمر آیت ۳۴)

سورہ توبہ (آیت ۷۰) الحاقہ (آیت ۹) اور سورہ النجم میں قوم لوط کی بستیوں کو "المؤتفکٰت" (وہ بستیاں جنہیں الٹا دیا گیا) کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے اور سورہ النجم میں اس چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو اس کے بعد ان بستیوں پر چھا گئی یعنی بحیرہ مردار کا پانی۔ (جس کی تفصیلات پہلے آچکی ہیں) اللہ تعالیٰ نبیؐ سے فرماتا ہے۔

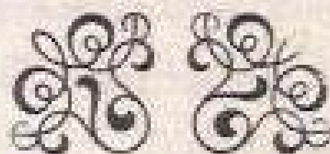
ان فی ذالک لاٰیٰت للمتوسمین ○ **وانھا لبسبیل مقیم**○ (الحجر آیات ۷۵-۷۶)

ترجمہ۔ اس واقع میں ان لوگوں کے لئے جو صاحب فراست ہیں بڑی نشانیاں ہیں اور یہ علاقہ گذر گاہ عام پر ہی تو واقع ہے۔

حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستے میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔

اہل حجاز کے قافلے فلسطین اور شام جاتے ہوئے اس علاقے سے گذرتے تھے اور نہ صرف یہ علاقہ دیکھتے تھے بلکہ ارد گرد کے لوگوں سے اس کی تباہی و بربادی کی داستانیں بھی سنتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کو اپنی نافرمانی اور رسول اللہ کی اطاعت سے انکار کے انجام سے ڈرانے کے لئے ان آثار کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس واقع کو ہمارے لیے بھی عبرت کا سامان بنائے اور گمراہ قوموں کے افعال اور ان کے انجام بد سے بچائے (آمین)



شعبہ تحقیق

مالکم لاترجون للہ وقارا

تحقیق و نظر: ——————— (انیس الدین)

قسط نمبر ۳

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ اس نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیغام فلاح و خیر انسانوں تک پہونچایا' فکر و تدبر کی صفات کے حامل سعید الفطرت انسانوں کو "امنوابربکم" کی پکار پر "امنا" کہنے کی توفیق سے نوازا اور اپنے نبیؐ کو ان سچے ایمانداروں کی تربیت و تزکیہ کا ذریعہ بنایا۔ پھر جنت کی بہاروں کے ان سچے آرزومند سرفروشوں کے ہاتھوں انقلاب اسلامی کے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہونچایا۔ اس طرح اسلام کو غلبہ و تمکن عطا ہوا اور اسلام کے ماننے والے عزت و وقار کے بام عروج تک پہونچے۔ فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہوئی اور اللہ کی زمین امن و سکون کا گہوارہ بنی۔ اتنے قلیل عرصہ میں ایسا عظیم اور مبارک انقلاب! بلاشک و شبہ یہ تاریخ انسانی کا بیحد نمایاں اور فقید المثال باب ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد تیزی سے آنے والا انحطاط و زوال بھی تاریخ کا انتہائی المناک و اندوہناک سانحہ ہے۔ دیکھئے! جہاں رب کریم نے اس کتاب ہدایت کو' جس کے ذریعہ یہ عظیم انقلاب برپا کیا گیا تھا' قیامت تک کے لئے محفوظ فرمادیا اور اس کی تشریح کو صحیح احادیث کی شکل میں طالبان راہ حق کے لئے مرتب و مدون کرانیکا اہتمام فرمادیا وہاں حق میں تشکیک و تلبیس کے ذریعہ دین حق میں بگاڑ کے شیطانی عمل کے لئے میدان بھی کھلا چھوڑ دیا ہے اور اسی میں انسان کا امتحان ہے۔

بنی نوع انسان کی کیسی بد نصیبی ہے کہ دین میں بگاڑ دین کے حوالے سے معروف اور وقت کے نامور اہل علم احبار و رھبان کے ذریعہ ہی آیا ہے اور اسی لئے یہ زیادہ موثر رہا ہے۔ تصوف کی عمارت "مشائخ عظام" کے ہاتھوں بلند ہوئی ہے تو مشاہیر علماء نے حیات و سماع فی القبر اور عرض اعمال جیسے مشرکانہ عقائد کو رواج دیا ہے۔ تصوف کی بنیاد وحدت الوجود' وحدت الشہود اور حلول پر قائم ہوئی۔ ان تینوں اجزاء کا مقصد عبد و معبود کے فرق اور امتیاز کو مٹاڈالنا ہے۔ اس کے تحت بندے کو مقام بندگی سے اٹھا کر خدائی کے منصب پر فائز کرنا اور اس کا اہل ثابت کرنا یا پھر الوہیت کے نزول سے معبود کو بندگی کے مقام عجز تک پہونچانا ہے۔ اس عروج و نزول کی داستان بہت طویل ہے۔ اسے ان لوگوں کی تصانیف میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ رھبانیت کے عروج و نزول کے اس مذھب سینہ کو احبار کی مکمل تائید حاصل رہی ہے۔ اگر کسی بے چین طبیعت کو اس پر تنقید کا شوق چرایا تو اس نے بھی اس تصوف کی دو قسمیں کر ڈالیں' اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کے نام سے۔ درآنحالیکہ قرآن و حدیث میں تو اس کی کوئی قسم بھی موجود نہیں اور نہ ہی اس کی گنجائش رہے مشاہیر علماء تو ان کا معاملہ اہل طریقت سے جدا سہی مگر انہوں نے ہی حیات و سماع فی القبور اور عرض اعمال کا پرچار کیا ہے اور اس کے ذریعہ تصوف کی بنیادوں کو مستحکم کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے قرآن کے خلاف رد روح کے عقیدہ کو اس امت میں جاری کیا۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے تو حیات و سماع فی القبر اور عرض اعمال کے عقائد کو پھیلانے کا حق ادا کردیا۔ یوں تو اس دور میں سب ہی احمد بن حنبل کے عقیدہ کو ماننے اور سینہ سے لگانے والے ہیں لیکن ان کے صحیح طور پر پیروکار' فرقہ اہل

حدیث ہیں۔ ان کی طرف سے ان عقائد کی وکالت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مسند احمد بن حنبل کی عود روح کی روایت کو جب قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے کھوٹ کو واضح کیا گیا اور اس کی حیثیت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا کہ یہ روایت منکر اور موضوع ہے :

"اور اس بات کے ثبوت میں براء بن عازبؓ سے منسوب زاذان کی اس روایت کو دلیل بناتے ہیں جس کو اہل علم نے منکر قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے اصل راوی زاذان میں شیعیت ہے" "وہ اپنے مخصوص عقیدہ کو روایت کی شکل میں لے آیا ہے۔" (عذاب برزخ ۱۳ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی)

تو اس کے خلاف حیات فی القبر کے لئے قرآن اور صحیح حدیث کے مقابلے میں پیش کی جانے والی اس روایت کا دفاع جس اندھے انداز میں کیا گیا ہے اس کی مثال بھی ملاحظہ ہو۔

کون سے اہل علم ہیں جنھوں نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے اور کس نے کہا ہے؟ کہ اس روایت کے اصل راوی زاذانؒ میں شیعیت ہے ؟ کسی ایک اہل علم کا نام تو موصوف لکھ دیتے، لیکن لکھتے کہاں سے جب کسی نے ایسی بات کہی ہی نہیں ہے۔ یہ جھوٹ تو موصوف نے خود ہی اپنے جی سے گھڑا ہے اور لوگوں کو اہل علم کا لفظ لکھ کر مرعوب کرتے ہیں

(فوٹو الدین الخالص دوسری قسط ۱۳۹)

یہ شخصیت پرستی اور باطل عقیدے کی حمایت کا شاخسانہ ہے ورنہ اس عود روح کی روایت کے ابطال کے لئے تو قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔ رہے اہل علم تو ان میں سے ایک کی وضاحت بھی ملاحظہ ہو۔

قلتُ: حديثه في شأن القبر بطوله فيه نكارةٌ وغرابة، يرويه عن زاذان عن البراء (٢).

(فوٹو سیر اعلام النبلاء ص ۱۸۳ جلد ۵)

ترجمہ : میں (الذہبی) کہتا ہوں اس کی حدیث (اعادہ روح کی روایت) جو کہ قبر کے معاملہ کے متعلق طوالت کے ساتھ ہے اس میں نکارۃ (منکر ہونا) وغرابۃ پائی جاتی ہے۔ جسے اس نے زاذان عن براء بن عازب کی سند سے بیان کیا ہے۔

کیا قرآن کی محکم آیات اور صحیح احادیث کے مقابلے میں اس روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے؟ مگر کیا کہا جائے دین قبور پرستی کی عمارت حیات فی القبر ہی پر ہے اسی لئے اس کا دفاع بہر صورت ضروری ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے حصہ رسدی کے طور پر اس کے دفاع کا اپنے اپنے انداز میں حق ادا کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنے اس عقیدہ کے اثبات کے لئے اپنی کتاب "المسند" میں روایات کے انبار لگائے ہیں۔ ان روایت کی اس گرم بازاری کے باوجود امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ صحیحین میں ایسی کوئی روایت نہیں لائے اور امام بخاری نے تو حدثنی یا اخبرنی احمد بن حنبل کہہ کر کوئی روایت اپنی "صحیح" میں نہیں لی ہے۔ اس بات کو ڈاکٹر عثمانیؒ نے ایمان خالص قسط دوئم ص ۲۴-۲۵ پر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"بخاری تو یہاں تک گئے ہیں کہ انہوں نے کسی حدیث کو بھی حدثنی یا اخبرنی احمد بن حنبل کہہ کر صحیح بخاری میں درج نہیں کیا۔ ایک حدیث جس میں انہوں نے امام احمد کا ذکر کیا ہے وہ بھی مغازی

کی تعداد کے بارے میں ہے لیکن وہاں بھی وہ اپنے اور امام احمد کے درمیان احمد بن الحسن کا واسطہ لائے ہیں اور دوسری معلق روایت جس کو کتاب اللباس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے بارے میں لا کر یہ کہا ہے کہ "وقال ابو عبداللہ وزادنی احمد" وہ بھی مشکوک ہے۔"

(ایمان خالص قسط دوئم ص ۲۴-۲۵)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں امام احمد کا ذکر ضرور کیا ہے مگر ان سے حدثنی یا اخبرنی کہہ کر کوئی روایت نہیں لی ہے۔ یہ بات امام احمد کے پیروکاروں کو کس قدر ناگوار گذری ہے اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

موصوف کا یہ کہنا کہ امام بخاریؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے حدثنا یا حدثنی کہہ کر کوئی روایت صحیح بخاری میں درج نہیں کی تو یہ موصوف کی جہالت ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے ایک مقام پر وقال لنا احمد بن حنبل کہہ کر روایت لی ہے اور قال لنا اور حدثنا میں کوئی فرق نہیں ہے اور دوسرے مقام پر احمد بن الحسینؒ کے واسطے سے حدثنا کہہ کر روایت نقل کی ہے

(فوٹو الدین الخالص دوسری قسط ص ۱۳۷)

یہ مولویانہ چابکدستی بلکہ ہیر پھیر کی بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔ ڈاکٹر عثمانیؒ نے تو مفرد صیغے کے ساتھ لکھا تھا کہ امام بخاریؒ نے حدثنی احمد بن حنبل کہہ کر کوئی روایت نہیں لی ہے جبکہ "الدین الخالص" کے مصنف نے اس کو حدثنی یا حدثنا مفرد + جمع کا صیغہ بنا کر پیش کیا ہے۔ جیسا کہ فوٹو میں نشان لگا کر واضح کردیا گیا ہے۔ یہ تحریف کیوں اور کس لئے کی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ... مفرد صیغے حدثنی واخبرنی اور جمع کے صیغے حدثنا واخبرنا میں نمایاں فرق ہے۔ مفرد صیغہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب شاگرد استاد سے تنہا حدیث سنے اور اس کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہ ہو اور استاد قصداً حدیث شاگرد کو سنائے۔ چنانچہ اس سے خصوصیت کے ساتھ شاگردی مترشح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جمع کا صیغہ (حدثنا) اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ استاد کے حدیث بیان کرتے وقت بہت سے لوگ موجود ہوں اور استاد نے قصداً کسی ایک کو حدیث نہ سنائی ہو۔ ملاحظہ ہو۔

(۱)

حدیث بیان کرتے وقت مفرد صیغہ استعمال کرنا یعنی حَدَّثَنِيْ وَاَخْبَرَنِيْ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ جمع کے صیغوں یعنی "حَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا" میں اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ راوی کے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہوں اور استاد نے قصداً اس کو حدیث نہ سنائی ہو۔ بخلاف ازیں مفرد صیغہ میں استاد قصداً سامع کو حدیث سناتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شامل بھی نہیں ہوتا۔

(فوٹو علوم الحدیث ص ۱۳۲ ڈاکٹر صبحی صالح)

(۲)

اسناد میں الفاظ مستعمل ہیں، حَدَّثَنِیْ ، اَخْبَرَنِیْ (مجھ سے بیان کیا، مجھے بتایا، مجھے خبر دی) ذَکَرَلِیْ (مجھ سے ذکر کیا) قَالَ لِیْ فُلَانٌ (مجھ سے کہا فلاں نے) سَمِعْتُ فُلَانًا (میں نے فلاں سے سُنا) سَمِعْنَا فُلَانًا (ہم نے فلاں سے سُنا) حَدَّثَنَا (ہم سے بیان کیا) اَخْبَرَنَا (ہمیں بتایا) اَنْبَأَنَا (ہمیں خبر دی) حَدَّثَ (بیان کیا) اَخْبَرَ، اَنْبَأَ (بتایا، خبر دی) قَالَ (کہا) ذَکَرَ فُلَانٌ (ذکر کیا فلاں نے) عَنْ فُلَانٍ (فلاں سے مروی ہے)۔

ان میں سے اول الذکر پانچ کلمات صراحۃً ونصًا تلمیذ کا شیخ سے براہِ راست سماع ثابت کرتے ہیں اور بعد کے چار کلمات سے بھی بہ ظاہر براہ راست سماع ثابت ہوتا ہے مگر شرکت کے ساتھ، یعنی راوی کے ساتھ اور بھی شخص یا اشخاص تھے جن کے سامنے شیخ نے حدیث بیان کی تھی

(فوٹو نہایۃ التحقیق شرح مسند احمد ص ۲۶ جلد ۱)

الدین الخالص کے مصنف نے مفرد صیغے حدثنی کو جمع کے صیغے حدثنا میں تبدیل کرنے کا کارنامہ محض اس لئے انجام دیا ہے کہ صحیح بخاری میں ایک مقام پر امام بخاریؒ نے "قال لنا" کہہ کر ایک روایت درج کی ہے چونکہ یہ جمع کا صیغہ ہے اس لئے موصوف کو تحریف کرنا پڑی۔ موصوف کے دعوے کے برخلاف صحیح بخاری کے شارح عینی نے "عمدۃ القاری" میں لکھا ہے کہ

قوله قال لنا احمد بن حنبل وهو الامام المشهور واخذ البخاري عنه هنا مذاكرة ولم يقل حدثنا ولا اخبرنا

(فوٹو عمدۃ القاری جلد ۲۰ ص ۱۰۱)

ترجمہ : امام بخاری کا یہ قول کہ "قال لنا احمد بن حنبل" (احمد بن حنبل نے ہم سے کہا) اور وہ تو مشہور امام ہیں اور امام بخاری نے مذاکرہ میں ان سے یہ روایت لی ہے اور انہوں نے حدثنا و اخبرنا نہیں کہا ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۲۰ ص ۱۰۱)

جس طرح عینی نے یہ چیز واضح کی کہ بخاری احمد بن حنبل سے حدثنا یا اخبرنا کہہ کر روایت نہیں لائے ہیں اسی طرح ابن حجر نے بھی یہ لکھا ہے کہ بخاری نے یہ روایت مذاکرے میں اخذ کی ہے یا پھر یہ اجازۃ ہے اور مزید لکھا کہ بخاری نے یہ صیغہ موقوف احادیث کے لئے استعمال کیا ہے یا پھر اس وقت جب ان کی شرط میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہو۔ (فتح الباری) اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کوئی روایت بھی حدثنی و اخبرنی احمد بن حنبل کہہ کر نہیں لی ہے جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ درج ذیل حوالے سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔

الا

ان البخاری لم یذکر فی صحیحہ عنہ الا حدیثا واحدا فی آخر کتاب الصدقات تعلیقا وروی احمد بن الحسن الترمذی عنہ حدیثا آخر

(فوٹو المشکوٰۃ' الاکمال اسماء الرجال ص ۶۲۶)

ترجمہ : "سوائے اس کے کہ امام بخاری نے ان (احمد بن حنبل) سے اپنی صحیح بخاری میں کتاب الصدقات[1] کے آخر میں ایک معلق روایت کے کوئی حدیث بیان نہیں کی اور ایک اور دوسری حدیث احمد بن الحسن کے واسطے سے بیان کی ہے۔"

اسی طرح کی عالمانہ فریب کاریوں سے کام لیتے ہوئے اور بگاڑ پیدا کرنیوالی شخصیات کا دفاعی انداز اختیار کر کے قرآن و حدیث کے مقابلے میں ایک نیا دین وجود میں لایا گیا۔ اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے بجائے اسے طاغوت کے دام فریب میں بری طرح جکڑ دیا گیا۔ احبار و رهبان کی ہریات کو قرآن و حدیث پر فوقیت دی گئی۔ اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ والی قبر میں زندہ تسلیم کروایا گیا اور ان پر درود و سلام کے اعمال اور امت کے دیگر اعمال پیش کئے جانے لگے اور اس کے بعد اس عقیدے کو ترقی ملی اور ہر مردے کے اپنی قبر میں زندہ ہونے اور اپنے احباب کے حالات سے باخبر ہونے کا نظریہ تسلیم کیا گیا۔ اس طرح بے شمار الٰہ' داتا' دستگیر' مشکل کشا' حاجت روا اور غریب نواز وجود میں آگئے۔ اللہ کی مخلوق کی پکاریں بلند ہوئیں انہیں وسیلہ اور واسطہ بنایا گیا اور اللہ کی شکر گزاری کی بجائے مخلوق کے نام کی نذر و نیاز ہونے لگی۔ اللہ پر بھروسے اور یقین کی بجائے تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے موثر ہوئے پھر دین فروشی کی انتہا کر دی گئی۔ تعلیم قرآن و حدیث پر ہی اجرت نہیں لی گئی بلکہ اذان' اقامت' خطابت و نصیحت اور صلوٰۃ پڑھانے تک کی اجرت وصول کر کے دین فروشی کا بازار گرم کیا گیا۔ اور اپنے اس دین کے جواز کے لئے فن دینداری کا سہارا لیا گیا۔ کبھی الفاظ اور تاویل کے پیچ و خم کے ذریعہ اسے ثابت کیا گیا تو کبھی جھوٹ اور بددیانتی کی انتہا کر دی گئی کہ کسی طرح اس دین بتاں کی بہار کا کوئی پھول کملانے نہ پائے۔

اس امت کے پیروں اور مولویوں نے بھی گزشتہ امتوں کے احبار و رهبان کی پیروی میں دینداری کو دکانداری کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ اپنے پیٹ کی آگ بجھانے اور اپنی دنیا بنانے کے لئے انہوں نے عوام الناس کو تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے جیسے شرک میں پھنسا رکھا ہے۔ اور جب قوم کے سامنے اس بات کو رکھا جاتا ہے کہ یہ تعویذ گنڈے شرک ہیں تو ان پیٹ پرست پیروں اور مولویوں کی طرف سے اس کی سب سے زیادہ شدت سے مخالفت شروع کی جاتی ہے۔ فن دینداری کے یہ حاملین اپنی تمام تر فنکارانہ صلاحیتوں سے لیس ہو کر ان تعویذ گنڈے کے کاروبار کے دفاع اور اس کے جواز کے لئے خم ٹھونک کر میدان عمل میں آجاتے ہیں۔ اپنے اس گمراہ کن طرز عمل کے لئے من گھڑت واقعات سے استدلال کا زور لگاتے ہیں جیسا کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عمرو بن عاص کے متعلق ان ظالموں نے مشہور کر ڈالا ہے کہ وہ بچوں کے گلوں میں تعویذ لٹکایا کرتے تھے حالانکہ یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص قرآن و حدیث کو خوب سمجھنے والے اور تقویٰ اور عقیدہ میں نمایاں مقام رکھنے والے تھے اور انہوں نے نبی علیہ

[1] کتاب اللباس

السلام سے تعویذات کے رد کے متعلق حدیثوں کو خود سنا تھا تب ہی تو وہ نبی علیہ السلام سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

ما ابالی ما اتیت ان انا شربت تریاقا او تعلقت تمیمة او قلت الشعر من قبل نفسی

(رواہ ابوداؤد ص ۵۴۰ و مشکوٰۃ ص ۳۸۹)

ترجمہ : (نبی علیہ السلام نے فرمایا) اگر میں کہیں یہ تین باتیں کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب مجھے حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں تریاق استعمال کروں، تعویذ لٹکاؤں، شاعری کروں۔

اس حدیث کے رد کا ایک فنکارانہ انداز ملاحظہ ہو۔

ڈاکٹر عثمانی نے ایک ضعیف حدیث اپنے نظریہ کی تائید میں نقل کی ہے اور اس کے متعلق انکشاف کیا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے

یہ روایت چونکہ موصوف کے نظریئے کی حمایت کرتی ہے، اس لئے وہ اسے "صحیح حدیث" قرار دے رہے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے اس لئے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن رافع التنوخی ضعیف ہے۔

علامہ ناصرالدین البانی بھی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے

اور جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا کہ اس حدیث کی سند میں ضعیف راوی موجود ہے، لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

(فوٹو عبارات الدین الخالص قسط نمبر ۲ ص ۷۳، ۷۵، ۷۶، ۷۷)[1]

یہ بڑی بے باکی ہے کہ حدیث رسول کو محض اپنے باطل نظریات کے دفاع اور دنیاوی اغراض و متاع کے حصول کے لئے رد کیا جائے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ احمد محمد شاکر مسند احمد کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے ملاحظہ ہو۔

---

[1] الدین الخالص کے مصنف نے اس حدیث کے راوی کو عبداللہ بن رافع التنوخی لکھا ہے جبکہ غلط ہے، اس کا نام عبدالرحمٰن بن رافع التنوخی ہے۔

(٦٥٦٥) إسناده صحيح . عبد الله بن يزيد المقرىء أبو عبد الرحمن : سبق توثيقه ٧٧٢ . ونزيد هنا أنه وثقه ابن سعد والنسائي وغيرهما ، ومات في رجب سنة ٢١٣ بمكة . وقد جاوز التسعين . وأخطأ ابن حزم في جمهرة الأنساب (ص ٤٠٩) في نسبته خطأ عجيباً ، إذ زعم وجود حي ضخم من ولد سبيع بن الحرث بن زيد . باسم « مقر » . بضم الميم وسكون القاف ، فقال : « ومن ولد سبيع المذكور : مقر . حي ضخم ، إليه ينسب عبد الله بن يزيد المقري ، ولم يكن مقرئاً للقراءات . وإنما كان محدثاً » ! ! وقد علقتُ عليه هناك بأن « عبد الله بن يزيد المقرىء : إمام

٦٥٦٥

بن العاصي يقول : إنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : ما أُبالي ما أَتَيْتُ ، أو ما أُبالي ما رَكِبْتُ ، إذَا أنا شربتُ تِرْيَاقاً ، أو قال : عَلَّقْتُ تَمِيمَةً ،

كبير في الحديث ومشهور في القراءات ، لقن القرآن سبعين سنة ، كما في طبقات القراء لابن الجزري ج ١ ص ٤٦٣ — ٤٦٤ ، وقد قال عن نفسه : أقرأت القرآن بالبصرة ٣٦ سنة ، وههنا بمكة ٣٥ سنة ، كما في التهذيب (ج ٦ ص ٨٤) . وأما هذه القبيلة : المقر . التي زعمها ابن حزم فلم أجدها عند غيره » . وأرى أن ابن حزم انتقل ذهنه إلى « عبد الرحمن بن عبد القاريّ » . فإنه بتشديد الياء . نسبة إلى « القارة » وهي قبيلة . وليس هو « القارىء » بالهمز من القراءة . فاشتبه عليه الأمر . رحمه الله .

حيوة : هو ابن شريح التجيبي المصري . سبق توثيقه ٢٨٩٩ . ونزيد هنا أنه ترجمه ابن سعد في الطبقات ٢٠٣/٢/٧ . وقال : « كان ثقة » .

شرحبيل بن شريك المعافري : ثقة . ذكره ابن حبان في الثقات . وقال أبو حاتم : « صالح الحديث » . وقال النسائي : « ليس به بأس » . وروى له مسلم في صحيحه . وترجمه البخاري في الكبير ٢٥٣/٢/٢ . وضعفه الأزدي . وتضعيف الأزدي لا عبرة به ، خصوصاً مع توثيق هؤلاء . وسيأتي بحث في اسمه في تخريج الحديث إن شاء الله.

عبد الرحمن بن رافع التنوخي المصري : سبقت الإشارة إليه في ٥٣٩٤ ، وهو تابعي ثقة ، ذكره ابن حبان في الثقات ، وقال : « لا يحتج بخبره إذا كان من رواية ابن أنعم . وإنما وقع المناكير في حديثه من أجله » ، وذكره البخاري في الضعفاء (ص ٢٢) قال : « في حديثه المناكير » ، فيريد ابن حبان أن هذا ليس على إطلاقه ، وأن ليس الضعف من قبل عبد الرحمن بن رافع في نفسه . وإنما وقعت المناكير فيما روى عنه عبد الرحمن بن زياد بن أنعم ، فيظهر أن ابن أنعم لم يتقن حفظ ما روى عن ابن رافع . وأما ابن رافع فإنا نرى أنه ثقة ، بما ذكرنا ، وبأن أبا العرب بن تميم ذكره في طبقات علماء إفريقية (ص ٢٠) في التابعين العشرة الذين أرسلهم عمر بن عبد العزيز « يفقهون أهل إفريقية » ، وما كان عمر بن عبد العزيز ليرسل في هذا إلا رجلا ثقة عدلا ، وترجمه أبو بكر المالكي في رياض النفوس ١ : ٧٢ وقال : « من فضلاء المؤمنين . . . سكن القيروان ، وانتفع به خلق كثير » .

٦٥٦٥

أو قلتُ شِعراً من قِبَلِ نفسي. المَعافِري يشكُّ «ما أُبالي ما ركِبتُ» أو «ما أُبالي ما أتيتُ».

والحديث رواه أبو داود ٣٨٦٩ (٤ : ٥ عون المعبود) عن عبيد الله بن عمر القواريري عن عبد الله بن يزيد المقري — شيخ أحمد هنا — عن سعيد بن أبي أيوب عن شُرحبيل بن يزيد المعافري عن عبد الرحمن بن رافع التنوخي عن ابن عمرو.

ورواه ابن عبد الحكم في فتوح مصر (ص ٢٥٥) عن أبي الأسود النضر بن عبد الجبار عن ابن لهيعة عن شَراحيل بن يزيد عن حنش بن عبدالله عن ابن عمرو، في قصة. ثم قال ابن عبد الحكم: «ورواه حيوة بن شريح أيضاً عن شراحيل بن يزيد».

ورواه أبو نعيم في الحلية ٩ : ٣٠٨ من طريق معاوية بن يحيى عن سعيد بن أبي أيوب عن شُرحبيل بن شريك عن أبي عبد الرحمن الحبلي عن ابن عمرو.

فنجد في هذه الروايات أن أبا داود ذكر «شرحبيل بن شريك» باسم «شُرحبيل بن يزيد»، وقد نبه على ذلك صاحب التهذيب ٤ : ٣٢٣ — ٣٢٤، قال: «إلا أن أبا داود سماه في روايته: شُرحبيل بن يزيد»، ثم ذكر هذا الحديث، ثم قال: «وقد رواه أبو بكر بن أبي شيبة وغير واحد عن المقري فقالوا: شُرحبيل بن شريك، على الصواب». وقد عقب على ذلك الحافظ ابن حجر فقال: «أخشى أن يكون «شُرحبيل بن يزيد» تصحيفاً من «شَراحيل بن يزيد» لأنه أيضاً معافري، ويروي عن عبد الرحمن بن رافع وغيره».

وهذا الذي ظنه ابن حجر ظناً كان فعلا: أن شَراحيل بن يزيد روى هذا الحديث، ولكنا وجدناه من روايته عن حنش بن عبد الله الصنعاني، رواه عنه ابن لهيعة وحيوة بن شريح، كما نقلنا عن فتوح مصر. ولعله يكون قد رواه أيضاً عن عبد الرحمن رافع، كما ظن ابن حجر، ولكن لم تقع لنا روايته.

والذي أكاد أرجحه أن الخطأ فيه إنما هو من عبيد الله القواريري شيخ أبي داود، لأن المزي حكى أن «أبا بكر بن أبي شيبة وغير واحد» رووه عن المقري على الصواب. والظاهر أن رواية ابن أبي شيبة وغيره، التي يشير إليها المزي، إنما هي «عن المقري

عن سعيد بن أبي أيوب عن شرحبيل بن شريك»، كإسناد أبي داود، إلا في تسمية والد شرحبيل.

ويخلص لنا من هذه الأسانيد: أن الحديث رواه عن عبد الله بن عمرو ثلاثة من التابعين: عبد الرحمن بن رافع التنوخي، هنا في المسند، وعند أبي داود. وحنش بن عبدالله الصنعاني، عند ابن عبدالحكم في فتوح مصر. وأبو عبد الرحمن الحبلي، واسمه «عبد الله بن يزيد المعافري المصري»، عند أبي نعيم في الحلية.

وأن عبد الله بن يزيد المقري — شيخ أحمد — رواه عن شيخين: حيوة بن شريح، هنا في المسند. وسعيد بن أبي أيوب، عند أبي داود.

وأن حيوة بن شريح رواه عن شيخين أيضاً : شُرحبيل بن شريك المعافري عن عبد الرحمن بن رافع ، هنا في المسند . وشَراحيل بن يزيد المعافري عن حنش بن عبد الله . عند ابن عبد الحكم في فتوح مصر .

وأن سعيد بن أبي أيوب رواه عن شيخ واحد : هو شُرحبيل بن شريك . وأن شرحبيل رواه له عن اثنين من التابعين : أولها : عبد الرحمن بن رافع التنوخي . هنا في المسند . وعند أبي داود أيضاً . على خطأ وقع فيه في اسم والد شُرحبيل ، بتسميته « يزيد » بدل « شريك » . وثانيهما : أبو عبد الرحمن الحبلي ، عند أبي نعيم في الحلية .

وأن ابن لهيعة وحيوة بن شريح روياه عن شَراحيل بن يزيد عن حنش بن عبد الله . عند ابن عبد الحكم .

ثم يتبين من هذا أيضاً أنْ قد أخطأ الحافظ الذهبي وتبعه المناوي في شرح الجامع الصغير . إذ نقل السيوطي هذا الحديث ٧٧٧٣ ، ونسبه لأحمد وأبي داود ، ورمز له برمز الحديث الحسن . فقال المناوي : « رمز المصنف لحسنه ، وكأنه ذهل عن قول الذهبي في المهذب : هذا حديث منكر ، تكلم في ابن رافع لأجله ! » . فإن عبد الرحمن بن رافع لم ينفرد بروايته ، بل تابعه على روايته عن ابن عمرو اثنان آخران من التابعين : هما أبو عبد الرحمن الحبلي ، وحنش بن عبد الله الصنعاني .

وبعد : فالحديث حديث عبد الله بن عمرو بن العاصي ، ولكن أخطأ ابن

(فوٹو المسند الجزء ١٠ حدیث رقم ٦٥٦٥ شرح احمد محمد شاکر)

ان عبارات کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

"اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ عبد الرحمٰن بن رافع التنوخی المصری : انکی طرف ٥٣٩٣ میں اشارہ گزر چکا ہے اور وہ ثقہ تابعی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی کتاب "الثقات" میں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب عبد الرحمٰن بن رافع سے ابن انعم روایت کرے تو اس کی خبر سے حجت نہیں لائی جا سکتی کیونکہ انکی حدیثوں میں منکر روایات ابن انعم کی وجہ سے آئی ہیں۔ اور بخاری نے انہیں الضعفاء (صفحہ ٢٢) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ انکی احادیث میں منکر بھی ہیں۔ ابن حبان یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ قول مطلق نہیں ہے اور ابن رافع کی روایت میں ضعف ان کی اپنی وجہ سے نہیں بلکہ انکی منکر روایات وہ ہیں جو ان سے عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم نے روایت کی ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ابن انعم نے ابن رافع سے روایت کرنے میں حفظ و اتقان سے کام نہیں لیا ہے اور جہاں تک ابن رافع کا تعلق ہے تو ہم نے دیکھا کہ وہ ثقہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ابو العرب بن تمیم نے ان کو طبقات علماء افریقہ (صفحہ ٢٠) میں ان دس تابعین میں ذکر کیا ہے جنہیں عمر بن عبد العزیز نے اہل افریقہ کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ اور عمر بن عبد العزیز اس معاملہ میں سوائے ایسے آدمی کے جو ثقہ اور عادل ہو کسی اور کو بھیجنے والے نہ تھے۔ ابو بکر المالکی نے ریاض النفوس جلد ١ ص ٧٧ میں ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ مومنین کے عالم اور فاضل لوگوں میں سے ہیں..... قیروان میں رہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا..... عبد الرحمٰن بن الرافع التنوخی عن ابن عمرو کی سند سے۔

اور اس حدیث کو ابن عبد الحکم نے فتوح مصر (صفحہ ۲۵۵) میں... حنش بن عبد اللہ عن ابن عمرو کی سند سے روایت کیا ہے۔
اور اس حدیث کو ابو نعیم نے الحلیہ جلد ۹ صفحہ ۳۰۸ میں... عبد الرحمٰن الحبلی عن ابن عمرو کی سند سے روایت کیا ہے۔
...... اور ہمارا ان اسانید سے خلاصہ یہ نکلا کہ یہ حدیث عبد اللہ بن عمروؓ سے تین تابعین نے روایت کی ہے (۱) عبد الرحمٰن بن رافع التنوخی نے یہاں مسند میں اور ابوداؤد میں (۲) حنش بن عبد اللہ الصنعانی نے ابن عبد الحکم کی فتوح مصر میں (۳) ابو عبد الرحمٰن الحبلی نے جن کا نام عبد اللہ بن یزید المعافری المصری نے ابو نعیم کی الحلیہ میں............

اس وضاحت سے الدین الخالص کے مصنف کے استدلال کے پائے چوبیں کی بے تمکینی واضح ہو گئی کیونکہ اس روایت کو ضعیف قرار دینے کی بنیاد عبد الرحمٰن بن الرافع التنوخی کا ضعف بتایا گیا ہے۔ جبکہ معلوم ہے وہ فی نفسہ ثقہ ہے اور اس روایت میں اس کا تفرد بھی نہیں ہے۔

تعویذ گنڈے کے جواز کے لئے احادیث کو راستے سے ہٹانے کے علاوہ ان تعویذ گنڈے کے بیوپاریوں نے ایک اور انداز اختیار کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ تعویذ گنڈے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہ اپنے بیوپار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ایک کو شرعی تعویذ اور دوسرے کو مشرکانہ تعویذ سے موسوم کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں تو کسی شرعی تعویذ گنڈے کا ذکر موجود نہیں ہے۔ یہ اصطلاح بھی ان کی خود ساختہ ہے اور اس دین فروشی کے کاروبار کو جواز فراہم کرنیکا ذریعہ۔ اور یہ طرز عمل قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں شرک ہے۔ احادیث میں تو تعویذ گنڈے کی نہی عام وارد ہوئی ہے چنانچہ اسی بات کو ڈاکٹر عثمانیؒ نے بیان کیا ہے۔

"ترجمہ : عقبہ بن عامر الجہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپؐ نے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا کہ اس سے اس لئے بیعت نہیں لی کہ وہ تعویذ پہنے ہوئے ہے۔ یہ سن کر ان صاحب نے ہاتھ اندر ڈال کر تعویذ توڑ ڈالا۔ اب نبیؐ نے ان سے بھی بیعت لے لی۔ اور فرمایا کہ جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد ص ۱۵۶ جلد ۴)

کیا یہ حدیث یہ نہیں بتاتی کہ ہر قسم کا تعویذ ناجائز ہے؟ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم سے کم یہ تو ضرور دریافت فرما لیتے کہ یہ تعویذ جو تم نے لٹکایا ہے اس میں قرآن تو نہیں لکھا ہوا ہے 'اسماء الٰہی تو نہیں۔ مطلق تعویذ دیکھ کر آپؐ کا بیعت نہ لینا کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ آج کے فن دینداری کے ماہر اپنے کاروبار کے لئے جو مختلف عذر پیش کرتے ہیں وہ سارے کے سارے عذر ہائے لنگ کے علاوہ کچھ نہیں"۔ (تعویذات اور شرک ص ۳۰ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانیؒ)

اس حدیث کے علاوہ بھی جس قدر احادیث تعویذ گنڈے کی نہی میں آئی ہیں سب میں مطلق تعویذ گنڈے سے منع کیا ہے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس میں اس کی تخصیص آئی ہو یا اس کی کسی بھی "قسم" کی رخصت دی گئی ہو۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دم سے روک دیا تھا مگر بعد میں اس کی رخصت ان الفاظ میں دی تھی "لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک" احمد محمد شاکر نے اسی بات کو اس انداز میں بیان کیا ہے۔

"والنهی فی الاحادیث عام' فلا وجہ لتخصیصۃ بغیر تمائم القرن' ولو کان ذلک جائزا لورد عن الشارع کما ورد الاذن بالرقی المخصوصۃ"

(کتاب التوحید بتعلیق احمد شاکر ص ۱۹)

ترجمہ : اور احادیث میں (تعویذات) کی نہی عام ہے بنا بریں اس کو غیر قرآنی تعویذات کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر وہ (قرآنی تعویذ) جائز ہوتا تو یقیناً نبیؐ سے اس کی اجازت وارد ہوتی جیسا کہ (دم کی نہی کے ساتھ) مخصوص دم کی اجازت وارد ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دلیل میں کوئی حدیث لائی جاتی مگر اپنے نظریے کی حمایت میں عدم دلیل کے علی الرغم بات کو کچھ یوں گھما دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

پھر اس روایت سے موصوف نے خود ہی جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ دوسری روایت میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے

حدثنا [illegible]

عن عبید اللہ بن زحر عن بکر بن سوادۃ عن رجل من صداء قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اثنا عشر رجلا فبایع احد عشر وترک رجلا منا لم یبایعہ فقلنا بایعہ یا نبی اللہ فقال لن ابایعہ حتی ینزع الذی علیہ انہ من کان منا مثل الذی علیہ کان مشرکا ما کانت علیہ فنظرنا فاذا فی عضدہ سیر من لحی شجرۃ او شئی من الشجرۃ

(عکس شرح المعانی الآثار ج ۲ ص۳۲۶)

ترجمہ: قبیلہ بنی صدا کے ایک شخص (صحابیؓ) بیان کرتے ہیں کہ بارہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیعت کرنے کے لئے) آئے۔ آپؐ نے ہم سب میں سے ایک آدمی کو چھوڑ کر باقی سے بیعت کر لی۔ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ اس سے بھی بیعت لے لیجئے، آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک اس سے بیعت نہ لوں گا، جب تک کہ یہ وہ چیزیں نہ اتار پھینکے جو مشرکین پہنتے ہیں۔ ہم نے اس ارشاد کے بعد اس شخص کی طرف غور سے دیکھا تو اس کے بازو پر ایک خاص قسم کے درخت کی چھال کا دھاگا یا درخت کی کوئی چیز بندھی ہوئی تھی"۔

اب یہ بات تو ممکن نہیں کہ مشرکین کوئی قرآنی آیت یا کوئی مسنون دعا لکھ کر لٹکاتے اس لئے کہ وہ تو ان چیزوں کو مانتے ہی نہیں تھے۔ لہذا لامحالہ وہی چیز لٹکائیں گے جو ان کے ہاں مروج تھی۔

(توحید الدین الخالص دوسری قسط ص ۱۳۶۔۱۳۷)

اس روایت کی سند یوں ہے جیسا کہ فوٹو سے ظاہر ہے۔

..... عبداللہ بن زحر عن بکر بن سوادۃ عن رجل من صدا قال اتینا...

پہلی بات تو یہ پیش نظر رہے کہ اصول حدیث کے اعتبار سے اس روایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں عن رجل (ایک آدمی) ہے۔ نہیں معلوم یہ صاحب کون اور کیا تھے اس قسم کی روایت کا حکم یہ ہے ملاحظہ ہو۔

(۱)

اسی طرح اگر تابعی بیان کرے کہ مجھے یہ حدیث ایک صحابی سے پہنچی ہے مگر اس صحابی کا نام ذکر نہ کرے مثلاً "عن رجل من الصحابۃ" یا "حدثنی من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہے تو وہ بھی ضعیف و ناقابلِ احتجاج ہے

(نہایۃ التحقیق ص ۳۷ جلد اول)

امام حاکم فرماتے ہیں۔

(۲) صفۃ الحدیث الصحیح ان یرویہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابی زائل عنہ اسم الجہالۃ... (معرفۃ علوم الحدیث ص ۷۷ شرح نخبۃ الفکر ص ۵)

ترجمہ: صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والا صحابی مجہول الاسم نہ ہو۔[1]

اس ضعیف روایت کا ایک اور راوی عبید اللہ بن زحر ہے اس کا حال بھی ملاحظہ فرمایئے

عبید اللہ بن زحر:

احمد بن حنبل ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کوئی چیز نہیں ہے اور ابن معین یہ بھی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کی تمام حدیثیں ضعیف ہیں۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس سے ایسی احادیث مروی ہیں جن کی کوئی متابعت نہیں کرتا ہے۔ ابو مسہر کہتے ہیں کہ اس کی تمام روایت معضل ہیں۔ دار قطنی کہتے ہیں ضعیف ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثبت راویوں سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۳'۱۲)' (تہذیب الکمال جلد ۱۹ ص ۳۸'۳۷)' (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶'۷)

یہ چند معروضات اس لئے پیش کی گئی ہیں کہ ضد و ہٹ دھرمی کی روش ترک کر کے تسلیم حق کا رویہ اختیار کیا جائے کہ فکر آخرت، خشیت و احساس جواب دہی کا یہی تقاضہ ہے ورنہ مہلت عمل ختم ہونے کے بعد سوائے ندامت کچھ حاصل نہ ہوگا۔

---

[1] بعض حضرات نے بعد کے راوی پر اس قبیل کی روایات کی صحت کا مدار رکھا ہے۔ یہ موقف بوجوہ صحیح نہیں۔

ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ اس صدی کا یہ کیسا عظیم کارنامہ ہے کہ رب کریم نے اپنے ایک بت شکن مجاہد کے ذریعہ طاغوت پرستوں کے بتوں کو پاش پاش کرایا' باطل دین کا پردہ چاک کرایا۔ الفرقان کی کسوٹی پر مختلف فرقوں کے اکابرین' احبار و رھبان کے عقائد باطل ثابت کر دکھائے۔ کتنی ہی شخصیات جو سر کا تاج اور آنکھ کا تارا بنی ہوئی تھیں' اولیاء اشیاطین ثابت ہوئیں[1]۔ اتحادی دین کے مسند نشینوں کے ایوان لرز گئے۔ دین حق کی پکار کراچی کے ساحل سے سرحد و کشمیر کے بلند پہاڑوں تک گونجی اور "امنوا بربکم" کی پکار پر "امنا" کہنے والے ابدی بہاروں کے آرزو مندوں نے والہانہ اس کا ساتھ دیا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں بکثرت مراکز و مساجد کا قیام عمل میں آیا جن میں امامت و خطابت کی ذمہ داری سنبھالنے والے پیشہ ور دین فروش نہیں (جو صلوٰۃ و اذان اور تلاوت قرآن کی قیمت وصول کریں اور کتابیں بیچ کر داد عیش دیں) بلکہ مجاہدانہ انداز کے حامل وہ ہمت ور جو راہ حق میں جان و مال قربان کر دینے کا عزم رکھتے ہیں' اور دنیا کے نہیں بلکہ جنت کی نعمتوں کے سچے آرزو مند ہیں' فالحمدللہ علیٰ ذالک! یہ تحریک ایسے ہی لوگوں کو چھانٹ لینے اور ان کی تربیت و تذکیہ کی ذمہ پوری کرنے والی ہے اور صحیح معنوں میں یہ ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ لیکن اس کی قدر تو وہی کر سکتا ہے جس نے پورے شعور اور ہوش و گوش کے ساتھ دعوت حق پر لبیک کہا' پھر اس اجتماعیت سے وابستگی نے نفس و انانیت کو زیر کر کے اس کے اندر سمع و طاعت کی متقیانہ صفت کو اجاگر کیا ہے۔ نبی علیہ السلام کے فرمان کے بموجب : الکیس

من دان نفسہ و عمل لما بعد الموت..... (مسلم)

(زیرک وہ ہے جو نفس کو زیر کرے اور آخرت کے لئے عمل کرے)

اس نے دنیا کو نہیں آخرت کو اپنی منزل سمجھا ہے اور اس کے حصول کی کوشش کو ہی مقصد حیات قرار دیا ہے اس کا حب اور بغض للہ اور فی اللہ ہے نہ کہ کسی نفس و انانیت اور دنیوی مفادات کے تحت۔ ایسا رحمٰن کا بندہ' حلم و اناۃ کا پیکر' سنجیدہ اور ذمہ دار' فکر آخرت سے سرشار ہی اس دعوت کا مخاطب ہے اور وہی دل و جان سے اس تحریک کا ساتھ دے سکتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو نفس کے بندے' طاغوت کے پرستار' کام و دہن کی لذت کے رسیا اور ظاہری شان و شوکت اور عیش و عشرت کے دلدادہ ہیں اور دنیوی مفادات کے لئے دوڑ دھوپ ہی جنگی زندگی کا مقصد ہے اور اس اکابر پرستی کے ماحول و معاشرہ میں اعلیٰ مقام کا حصول ہی ان کا منتہاو مقصود' تو یہ تحریک تو ان کے مفادات کے لئے شدید خطرہ ہے۔ وہ تو یقیناً اس کی مخالفت و مزاحمت میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ انبیاءؑ اور ان کے ماننے والے ہمیشہ ان حالات سے دوچار ہوئے اور یہ دعوت حق جب بھی اس انداز سے اٹھی تو اسی طرح اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں' تشکیک و تلبیس کے شیطانی حربے استعمال ہوئے جن کے ذریعہ داعی اور دعوت پر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہونچانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ رب کریم کا فرمان ہے :

"و کذالک جعلنا لکل نبی..... زخرف القول غرورا..... (الانعام ۱۲)

ترجمہ : "اور ہم نے تو اسی طرح شیطان انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب کی باتیں پر کشش انداز میں القاء کرتے رہتے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے ہوشیار کر دیا کہ اس نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے یہ چھوٹ دی ہے تاکہ جب دعوت حق برپا ہو تو اس میں

---

[1] ملاحظہ ہو "گھر کے چراغ" مرتبہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

شامل ہونے والوں میں سے کھرے اور کھوٹوں کو چھانٹتا رہے کہ کون ہے جو ہر قسم کی آزمائش اور شیطانی ترغیبات کے باوجود استقامت کے ساتھ "ثم لم یرتابوا" کا تقاضا پورا کرتا ہے اور کون اپنے ازلی دشمن کے فریب میں آکر پٹڑی سے اتر جاتا ہے (پٹڑی سے اترنے والے عموماً نفس پرست ہی ہوتے ہیں جو دین حق کے لئے اٹھنے والی تحریک کے تقاضے پورے نہ کر سکیں یا تقلید اعمیٰ اور ذہنی مرعوبیت کا شکار ہوں' ایسے کھوٹے سکوں کا چھٹ جانا ہی تحریک کے لئے خیر کا باعث ہے!)

دیکھئے! اللہ کے بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ شجر طیبہ کی خون و پسینہ سے آبیاری کرنے اور دین حق کی سربلندی کے لئے جان و مال قربان کرڈالنے کو فوز عظیم سمجھتے ہیں اس کے برعکس کفر کی روش اختیار کرنے والے طاغوت کے دفاع میں اپنی توانیاں صرف کرنے میں لذت نفس پاتے ہیں۔ اب آپ کی مرضی اپنی حیثیت ومقام کا تعین فرمالیں!

وما علینا الا البلاغ



بقیہ

انظر الی ذی الوجہین

احتیاطاً (پکڑ سے بچنے کے لئے غالباً) کہدی گئی تھی کہ "ادب المفرد کے دوسرے نسخہ میں حرف ندا "یا" نہیں ہے" جبکہ الاعتصام والے مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ "یا" کا اضافہ بے معنی ہے! یعنی جو روایت پہلے صحیح تھی اب ضعیف ہوگئی' جو بات پہلے بامعنی تھی اب بے معنی ہوگئی اور جو موقف پہلے غلط تھا اب صحیح ہوگیا! یہ دو شاہکار کیا ایک دوسرے کی ضد نہیں؟ دیکھئے! قرآن و صحیح احادیث کو چھوڑ کر ضعیف احادیث کو عقیدہ و استدلال کی بنیاد بنانے والوں کا یہی انداز ہوا کرتا ہے' ایک بات کو ایک جگہ ثابت کرتے ہیں دوسری جگہ اس کی تردید کردیتے ہیں اس کی کچھ مثالیں الدین الخالص میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اگر موصوف الاعتصام میں ہی اس بات کا اعتراف کرلیتے کہ پہلے مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں ڈاکٹر عثمانی کی مخاصمت میں اندھا ہوگیا تھا اب میں اپنے موقف سے رجوع کرتا ہوں تو ہمیں اس نشاندہی کی ہرگز ضرورت نہ پڑتی۔

بہرحال! غلط موقف پر جمنے والے ذہن پرست و نفس پرست "دورخے" مولوی کی حیثیت نبی علیہ السلام کے فرمان سے واضح ہوجاتی ہے :

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجدون شر الناس یوم القیامۃ ذاالوجہین الذی یاتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ : ابوھریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت بدترین لوگوں میں سے اس کو پاؤ گے جو دورخا ہو (منہ دیکھی بات کہنے والا منافق) جو ان کے پاس آئے گا ان کی سی بات کہے گا اور ان کی پاس جائیگا تو ان کی سی کہے گا۔

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید ۔

ترجمہ : بلاشبہ اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لئے جو قلب (سلیم) رکھتا ہو اور توجہ سے بات کو سنے"۔

انظر الیٰ ذی الوجہین

محمد آصف خاں

قبر پرستی کی بنیاد صاحب قبر کی حیات و سماع پر قائم ہے۔ اس عقیدے کے ماننے والوں کے نزدیک صاحب قبر زندہ ہوتا ہے، سنتے اور سمجھنے کے علاوہ احساس و شعور بھی رکھتا ہے۔ کیا قرآن و احادیث اس مسئلہ پر خاموش ہیں؟ ہرگز نہیں! قرآن میں تو اس مسئلہ کو قطعی غیر مبہم اور واضح انداز میں متعدد مقامات پر بیان کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفر و شرک کے اس چور دروازے کو (جس کے ذریعہ مرنے والا قیامت سے قبل زندہ ہو سکے) ہمیشہ کے لئے بند فرمادیا۔ چنانچہ فرمایا :-

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا و ھم یخلقون اموات غیر احیاء و ما یشعرون ایان یبعثون ...... (النحل ۲۰-۲۱)

ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ..... (المومنون ۱۵-۱۶)

قرآن نے مردہ کی حیات و سماع کی اتنے پرزور انداز سے تردید فرمائی ہے کہ کسی قسم کے ریب و ابہام کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس کے علاوہ صحیح احادیث میں بھی اس باطل عقیدہ کو مختلف انداز سے رد کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ مردہ پرستی کے دلدادہ قبر پرستوں نے اس کا یہ توڑ نکالا کہ قرآن و صحیح احادیث کے مقابلہ میں ضعیف و منکر روایات اپنے نظریے کی حمایت میں لے آئے۔ ڈاکٹر عثمانیؒ نے جب ایمان خالص دوسری قسط میں قرآن و صحیح بخاری سے ان اکابر پرستوں کے دلائل کا آپریشن کیا تو قبر کے پجاریوں نے جو حیلے بہانے تراشنے کا انداز اختیار کیا اس کا نمونہ ابو جابر عبداللہ دامانوی کی الدین الخالص میں ملتا ہے وہ لکھتے ہیں :

ذیل میں ہم چند ایسی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو موصوف کے نزدیک شرک و کفر ہیں مگر امام بخاریؒ ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) امام بخاریؒ اس بات کے قائل ہیں کہ جب کسی کا پیر سن ہو جائے تو وہ "یا محمد" کہے اس کے کہنے سے اس کا پاؤں ٹھیک ہو جائے گا، الفاظ یہ ہیں!

(باب ما یقول الرجل اذا خدرت رجلہ حدثنا) ابو نعیم قال حدثنا سفیان عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد

(ادب المفرد ص۱۴۳ عربی طبع اول لمتشدر)

ترجمہ: باب: پاؤں سُن ہو جانے پر کیا کہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سعدؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا پاؤں سُن ہو گیا تو ایک شخص نے ان سے کہا جو آدمی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کا نام لیجئے انھوں نے کہا یا محمدؐ (ادب المفرد صفحہ ۲۸۱ اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی)

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھ کر جہاں اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے، وہاں وہ یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ جب کسی کا پاؤں سُن ہو جائے تو اسے کیا کہنا چاہیئے گویا امام بخاریؒ پیر سن ہو جانے کا وظیفہ بتا رہے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر عثمانی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرتے ہیں یا امام بخاریؒ پر کوئی فتویٰ لگاتے ہیں؟ ادب المفرد کے دوسرے نسخے میں حرف ندا "یا" نہیں ہے

٤٣٧ - باب ما يقول الرجل إذا خدرت رجله

٩٦٤ - حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا سفيان، عن أبي إسحق، عن عبد الرحمن بن سعد قال: خدرت رجل ابن عمر، فقال له رجل: اذكر أحب الناس إليك. فقال: محمد

توحید خالص دوسری قسط صفحہ ۱۵۶، ۱۶۰

دیکھئے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی! حیات و سماع فی القبر کے مسئلہ کا رخ کس طرف موڑ دیا گیا۔ اس مولویانہ خلط بحث کے ذریعہ جہاں اپنے مشرکانہ عقائد کا دفاع مقصود ہے، خواہ اس کے لئے کوئی بھی دلیل نہ ہو، وہاں ڈاکٹر عثمانیؒ کے خلاف تعصب، بغض و عناد سے بھرے جذبات کی تسکین بھی مطلوب ہے۔ موصوف نے اپنے اس شاہکار میں ادب المفرد کی روایت کے حوالہ سے جو انکشافات فرمائے ہیں اب ذرا ان پر بھی غور کر لیں۔ فرماتے ہیں

(۱) امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھ کر روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

(۲) امام بخاریؒ پیر سن ہونے والے کو گویا "یا محمدؐ" کا وظیفہ بتا رہے ہیں"

پھر آخر میں فرماتے ہیں

(۳) "اب دیکھتے ہیں ڈاکٹر عثمانی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرتے ہیں یا امام بخاریؒ پر کوئی فتویٰ لگاتے ہیں"

اس طرح موصوف نے ڈاکٹر عثمانی کے خلاف آتش انتقام بجھانے کی غرض سے جوش استدلال میں پہلے امام بخاریؒ پر الزام تراشی کا انداز اختیار کرتے ہوئے ادب المفرد کی روایت کو صحیح تسلیم کرا کے "یا محمدؐ" کا وظیفہ بتانے والا ثابت کر دکھایا اور پھر یہ بھی فیصلہ فرما دیا کہ اب دو ہی راستے ہیں یا تو ان کے بقول "یا محمدؐ" کا وظیفہ اختیار کر لیا جائے ورنہ امام بخاریؒ پر فتویٰ لگایا جائے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف نے یہاں یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ خود کس موقف کے حامل ہیں "یا محمدؐ" کا وظیفہ جپنے والے یا امام بخاریؒ پر فتویٰ لگانے والے! دراصل ایک مولوی سے یہ توقع بھی نہ رکھنا چاہیے کہ وہ اتنی جلدی دو ٹوک موقف اختیار کر کے اپنے "عالمانہ و شاطرانہ" حربوں کا راستہ ہی بند کر دے اور اکابر پرستوں کو اپنا مخالف بنا لے۔ قبل اس کے کہ موصوف کی اس "عالمانہ مصلحت" کی مزید نقاب کشائی کی جائے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ امام بخاریؒ کے بارے میں موصوف کا یہ کہنا کہ انھوں نے ادب المفرد کی مذکورہ روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے، محض افسانہ طرازی یا تجاہل عارفانہ ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ صحیح بخاری سے قبل کی

تالیفات میں صحیح وضعیف روایات موجود ہیں۔ اس بات کا امام بخاریؒ کو بھی شدت سے احساس تھا تب ہی تو انہوں نے اپنے استاد اسحاق بن راھویہ کی خواہش پر صرف صحیح احادیث کی جمع کا اہتمام کیا تھا جو آج صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔ موصوف نے امام بخاریؒ کی کتب سے استدلال کرکے ان کے متعلق جو ہرزہ سرائی کی ہے اس کا مسکت جواب حبل اللہ شمارہ نمبر ۱۳ میں یوں دیا گیا ہے۔

"احمد بن حنبل کی حمایت اور ان کے باطل عقیدہ حیات فی القبر کے اثبات کے لئے جن عالمانہ فریب کاریوں کا سہارا لیا گیا ان میں یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری کی بعض احادیث کے غلط معنی کرکے ان کی من مانی تشریح کی گئی ہے کہ جس سے قرآن وحدیث کی تکذیب لازم آتی ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری کی الجامع الصحیح کی تالیف سے قبل کی کتب سے اخذ واستنباط کرکے ان کے متعلق غلط بیانی کے ذریعہ فریب دہی کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے "صحیح" کی تالیف سے قبل عام رواج کے مطابق صحیح اور ضعیف روایات کو مخلوط جمع کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے بھی بشمول امام بخاریؒ کے ان کی کلی یا مجموعی صحت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ صحیح اور ضعیف روایات مخلوط جمع کرنے کے رواج کی وجہ سے اخذ اور عمل میں انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا چنانچہ جب امام بخاری کے استاد اسحاق بن راھویہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کوئی شخص صرف صحیح احادیث کی جمع کا کام کرے تو امام بخاری نے الجامع الصحیح کی تالیف کا قصد کیا۔

"ابراهيم بن معقل النسفی يقول قال ابو عبدالله محمد بن اسمعيل البخاری كنا عند اسحق بن راهويه فقال لو جمعتم كتابا مختصرا الصحيح سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فوقع ذالک فی قلبی فاخذت جمع الجامع الصحيح۔"

ترجمہ : ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک دن اسحاق بن راھویہ کے پاس جمع تھے انہوں نے ہم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ تم لوگ ایک مختصر مگر صحیح احادیث کی کتاب مرتب کرو۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ استاد کی یہ بات میرے دل میں جڑ پکڑ گئی تو میں نے الجامع الصحیح کی تالیف کی۔ (حبل اللہ شمارہ ۱۳ ص ۴۴)

اب ذرا مسلک اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام لاہور کا دسمبر ۱۹۹۳ء کا شمارہ ملاحظہ فرمالیں۔ اس سے موصوف کے "دورخے کردار" پر کچھ روشنی پڑ جائیگی۔ انہوں نے خود کو مسلک اہل حدیث کا سچا ہمنوا ثابت کرنے کے لئے جو مضمون تحریر فرمایا اس کا کچھ اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

ہفت روزہ الاعتصام لاہور | ۴۳ | ۳ رجب ۱۴۱۴ھ

تحقیق وتنقید

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی۔ کراچی

مدد کے لئے یا محمدؐ، یا رسول اللہ پکارنا شرک ہے

ذیل کا مضمون "الادب المفرد" کی ایک ضعیف روایت سے بریلوی حضرات کے استدلال کی تردید پر مبنی ہے، جس کا مزید جواب راقم الحروف کے قلم سے اس سے قبل "الاعتصام" (۱۳ ستمبر ۱۹۹۱) میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اب کتاب "قبر پرستی" میں شامل ہے۔ اب ڈاکٹر دامانوی صاحب نے بھی یہ مضمون اشاعت کے لئے بھیجا دیا ہے۔ جسے ہم — ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است — کے تحت شائع کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے (ص۔ ی)

(میں تیری مدد نہیں کر سکتا میں تجھے (دنیا میں) تبلیغ
کر چکا تھا کہ یہاں غنیمت میں چوری نہ کرنا) (صحیح بخاری و
صحیح مسلم کتاب الجہاد)

معلوم ہوا ہے کہ پکارنے والا کوئی مشرک نہیں
بلکہ گناہگار مسلمان ہوگا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی مدد کرنے سے بھی صاف انکار کر دیں گے۔ حالانکہ وہ شخص
آپ کے سامنے ہی تکلیف و اذیت میں مبتلا ہوگا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی مدد
کرنے کا اختیار ہی نہیں رکھتے ورنہ آپ اپنے ان امتیوں کی ضرور
مدد فرماتے۔

ایک پوسٹر جو بزم خیر اندیش لاہور کی طرف سے شائع
ہوا اس میں لکھا تھا: "پکارو یا محمد صلی اللہ علیک وسلم" اور
ثبوت کے طور پر ادب المفرد کی روایت کا حوالہ دیا گیا ہے
لیکن ادب المفرد کی روایت کو نقل نہیں کیا گیا کیونکہ یہ روایت
نقل کی جاتی تو ان کے مشرکانہ عقیدہ کا بھانڈا بیچ چوراہے میں
ہی پھوٹ جاتا۔ کیونکہ ادب المفرد کی اس روایت میں پکار
اور مدد مانگنے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ لیکن پوسٹر
میں لکھا ہے: "امام بخاری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں۔ جب
تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد یا رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیک وسلم" ادب المفرد کی روایت ملاحظہ
فرمائیں۔

عن عبد الرحمٰن بن سعد قال خدرت
رجل ابن عمر فقال له رجل اذكر احب
الناس اليك فقال محمد (ادب المفرد ص ۔۔ طبع
سانگلہ ہل و طبع مصر)

ترجمہ۔ عبد الرحمٰن بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا
پاؤں سن ہوگیا۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ جو شخص آپ کو
سب سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کیجئے تو انہوں نے کہا
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس حدیث میں اُذْکُرْ کا لفظ ہے جس کا مطلب
ہے "یاد کیجئے" اور یہ ایک طبی علاج ہے۔ کیونکہ
پاؤں کا سن ہونا خون کی گردش کے رکنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور
جب انسان کو وہ شخص یاد آجائے کہ جسے وہ سب سے زیادہ محبوب
رکھتا ہو تو اسے یاد کرتے ہی اس کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے
اور پاؤں کا سن ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ اُذْکُرْ کا مطلب
پکارنا اور مدد مانگنا کیسے بن گیا۔ الادب المفرد کے اس نسخے میں
لفظ "یا" موجود نہیں ہے۔ نیز سانگلہ ہل کا یہ نسخہ مصری نسخے کا
فوٹو ہے۔ جس میں لفظاً کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے۔ پھر یہاں
یا کا اضافہ بھی بے معنی ہے اس لئے کہ یہی نسخہ درست ہے
کہ جس میں "یا" نہیں۔ پھر یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس
حدیث کا ایک راوی ابو اسحاق السبیعی ہے جو مدلس ہے
اور اس روایت میں اس نے تدلیس سے کام لیا ہے اور مدلس
کا عنعنہ علتِ قادحہ ہے۔ لہٰذا یہ روایت ہی جب ضعیف
ہے تو اس سے استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور احناف
کے اصول کے مطابق تو خبر واحد صحیح سے بھی عقیدہ ثابت نہیں ہو
سکتا جب کہ روایت ہی ضعیف ہے۔

خود اس پوسٹر میں ایک زبردست توہین اور خیانت کا ارتکاب کیا گیا ہے؟
اور اس طرح جھوٹ سے حدیث دشمنی کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور پوری امت مسلمہ
جب بھی نبی کا نام یا نبی کا ذکر کرتی ہے تو ان کے نام کے ساتھ
درود و سلام پڑھتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی ان (محمد) پر اللہ کا درود و سلام ہو
نبی کا اس درود و سلام کو پڑھنا اور اپنی امت کو سکھانا
یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کو یہ درود و سلام بذریعہ وحی سکھایا گیا ہے؟

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

ملاحظہ فرمایا موصوف نے کیسی کروٹ بدلی ہے، اپنی کتاب میں تو "یا محمد" کے کلمات کو کفر و شرک سمجھنے والے ڈاکٹر عثمانی کو ہدف تنقید بنایا تھا، اپنے استدلال کی تائید و تقویت کے لئے امام بخاریؒ پر بھی شرک کا الزام لگاتے ہوئے انہیں "یا محمد" کی تلقین کرنے والا ثابت کیا تھا اور ادب المفرد کی روایت کو استدلال کی بنیاد بنایا تھا۔ اب الاعتصام کیلئے تحریر کردہ مضمون میں معاملہ الٹ گیا "یا محمد" کہنا شرک قرار دیا گیا، وہی روایت اب ضعیف ثابت کی گئی اور اس روایت کو "یا محمد" کے کلمات کے لئے دلیل بنانا غلط ثابت کر دکھایا گیا! ایک اور ہوشیاری بھی ملاحظہ ہو۔ کتاب میں حرف ندا "یا" پر زور تھا کیونکہ یہی تنقید کی بنیاد تھا اور وہاں یہ بات

(باقی صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

سحر: قرآن وحدیث کی نظر میں

یعقوب علی

صحیحین کی روایات کو ہدف تنقید بنانا تو خیر منکرین حدیث کا کام ہے ہی' جس سے انکا مقصد صحیح احادیث میں شکوک وشبہات پیدا کرکے انہیں ناقابل اعتبار قرار دینا ہے تاکہ جب احادیث نبوی ہی نہ رہیں تو حسب منشاء قرآن کی آیات کے مطالب وضع کئے جاسکیں اور وہ تمام حدود وقیود جو احادیث صحیحہ کی رو سے اپنے اوپر لاگو کرنی پڑتی ہیں' ان سے جان چھوٹ جائے۔ ان کے پروپیگنڈے سے بعض سادہ لوح مسلمان بھی کبھی متاثر ہو جاتے ہیں' چنانچہ بخاری ومسلم وغیرہ میں نبی علیہ السلام پر سحر کے واقعہ والی روایات پر تنقید بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں بھی کبھی کبھی اس قسم کے سوالات اٹھائے جاتے تھے اور وہ حسب ضرورت مختصر وضاحت فرمادیا کرتے تھے' بات ختم ہو جاتی تھی لہٰذا اس موضوع پر باقاعدہ کوئی کام کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کیونکہ ہمارا مشن تو لوگوں کو اللہ واحد کی بندگی کی دعوت عریاں پیش کرنا ہے اور ایمانداروں کا تزکیہ وتربیت۔ اگر ہم اس طرح کے مسائل میں الجھے رہے اور ہر باطل پرست کے پروپیگنڈے سے مرعوب ہونے لگے تو یہ اصل کام جو کہ انسان کا مقصد تخلیق ہے' دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور یہ ہمارے ازلی دشمن' ابلیس لعین کے لئے باعث اطمینان ہوگا۔ لیکن اب جبکہ اس طرح کی باتوں کو بہت زیادہ اچھالا گیا اور نت نئے اعتراضات کرکے صحیحین کی احادیث پر بے جا تنقید باقاعدہ شروع ہو گئی۔ جس سے بعض مخلص تحریکی ساتھی بھی پریشان نظر آنے لگے' دوسری طرف طاغوت پرست اس موقع کو غنیمت جان کر نئے جال کے ساتھ میدان میں آگئے تو ضروری سمجھا گیا کہ اس مسئلہ کی پوری پوری وضاحت کے لئے حبل اللہ میں ایک بسیط مضمون لایا جائے اور کوئی گوشہ تاریک نہ رہے تاکہ ایک طرف تو یہ مخلص تحریکی ساتھیوں کے لئے اطمینان قلب کا باعث ہو تو دوسری طرف نور حق کے اس چراغ کو بجھانے کی کوشش کرنے والوں کے دلوں کا روگ ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام شیطانی اکساہٹوں سے اپنی پناہ میں رکھے (آمین)۔ اب آپ مضمون کا مطالعہ کریں (ادارہ)

قرآن وحدیث پر غور وتدبر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رب کائنات نے' جو خیر وشر کا خالق ہے' شیطان کی پیروی کا ذوق رکھنے والوں پر اتمام حجت اور مومنین صالحین کے امتحان وپختگی ایمان کے لئے شر کو مختلف شکلوں میں تخلیق فرمایا ہے اور شیاطین

الانس والجن کو اس کے استعمال کی چھوٹ بھی دی۔ یہ شر مادی عوامل مثلاً ایٹم بم' گولی اور میزائل وغیرہ کی شکل میں بھی ہے اور غیر مادی عوامل مثلاً جادو' مشرکانہ جھاڑ پھونک اور ٹونے ٹوٹکے وغیرہ کی شکل میں بھی۔

قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جادو کرنا یا کروانا ایک مشرکانہ فعل ہے اور کبیرہ گناہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک اور جادو کو موبقات (مہلک گناہ) میں شمار کیا ہے (بخاری) اور ایک دوسری حدیث میں جادو کو سات کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے جن میں تہمت' زنا اور سود خواری بھی شامل ہے (بخاری و مسلم)۔

یہ مسئلہ وقتاً فوقتاً لوگوں کے ذہنی خلفشار کا سبب بنتا رہا ہے کہ کیا واقعی اللہ کی مخلوق پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے اور کیا قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ذیل کی سطور میں اسی کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کی تاثیر وحدود پر تفصیلی بحث کی گئی ہے لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ یہاں جادو کا دفاع مطلوب نہیں کیونکہ یہ تو بلاشبہ کفر کا کام ہے' بلکہ یہاں اس سے مقصود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا دفاع ہے اگر یہ نہ کیا جائے تو منکرین حدیث کی باطل تاویلات کا دروازہ کھل جاتا ہے' اللہ تعالیٰ ان کے شر سے تمام سچے مسلمین کو اپنی پناہ میں رکھے! (آمین)۔

سحر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا ہے جس سے اس کے اثرات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں' مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا کہ اہل کتاب کا حال یہ ہے کہ انہوں نے کتاب الہیٰ کے احکامات کو تو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اتنے زبردست اخلاقی و اعتقادی انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں کہ:

واتبعوا ماتتلوا الشیٰطین علیٰ ملک سلیمان وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلّمون الناس السحر' وما انزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت وما یعلمان من احد حتیٰ یقولا انمانحن فتنة فلا تکفر فیتعلمون منهما مایفرقون به بین المرءوزوجه وماهم بضآرین به من احدالا باذن الله، الایه (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۰۲)

ترجمہ : اور لگے پیروی کرنے اس کی جو شیاطین سلطنت سلیمان" کا نام لے کر پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے تو کبھی کفر نہیں کیا بلکہ کفر کے مرتکب تو شیاطین ہوئے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور (اس کے بھی پیچھے لگے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں' ہاروت وماروت پر نازل کیا گیا تھا۔ وہ (دونوں فرشتے) کسی کو بھی یہ علم نہ سکھاتے تھے جب تک کہ اس سے یہ نہ کہہ دیتے کہ "ہم تو محض آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں لہذا تو کفر نہ کر۔" (پھر بھی) یہ ان دونوں سے وہ علم سیکھتے تھے جس سے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔ وہ اس (جادو) کے ذریعے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے سوائے اللہ کے حکم کے۔۔۔۔۔

یہ آیت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی اخلاقی وعملی تباہی کی ایک تصویر ہے کہ وہ کس قدر بے عمل' ست اور خواہشات نفسانی کے بندے بن گئے تھے اور پرائی خواتین پر ان کی نظر رہنے لگی تھی۔ دوسری طرف یہ شیاطین اپنی مکاری کا بازار گرم کئے ہوئے تھے' ان کا دعویٰ تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی اتنی عظیم الشان حکومت وسلطنت محض چند جادوئی اعمال' ٹونے منتر اور سحر پر قائم تھی اگر تم ہمارے کہے پر چلو تو یہ جادو ہم تمہیں بھی سکھائے دیتے ہیں' اور یہودی تھے کہ ان دکانوں پر ٹوٹے پڑتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کو بھیجا کہ جا کر اس بازار ساحری میں اپنی دکان لگائیں جو سیکھنے آئے

اسے پہلے سمجھا دیں کہ یہ کفر ہے پھر بھی اگر وہ سیکھنے پر ہی بضد رہے تو اسے سکھا بھی دیں تاکہ پھر ان کے لئے عذر خواہی کا کوئی موقع نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی علم تھا جو یہودی ان فرشتوں سے سیکھتے اور اگر تجربے سے اس کی تھوڑی بہت کامیابی انہیں حاصل نہ ہوتی تو یہ اس کے خریدار کیوں بنتے۔ آیت کے ان الفاظ "وہ اس کے ذریعے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے سوائے اللہ کے حکم کے" سے عقیدہ تقدیر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اللہ کی مشیت ہو تب ہی کسی پر اسکا اثر ہو سکتا ہے ورنہ چاہے کوئی لاکھ جادو کرتا رہے اثر نہیں ہو سکتا جیسا کہ سورۃ توبہ میں فرمایا گیا "**قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا**" (آپ کہہ دیں کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے کہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے (سورۃ التوبہ آیت ۵۱)

کیونکہ اس آیت کی کوئی مزید وضاحت ہمیں قرآن وحدیث میں نہیں ملتی لہٰذا خواہ مخواہ ہم اس پر اپنی معروضات کو طول دینے کے بجائے ان اشکالات واعتراضات کی طرف آتے ہیں جو بعض آزاد فکر ناقدین اٹھاتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے (جیسا کہ تدبر قرآن میں امین احسن اصلاحی صاحب نے لکھا ہے) "فرشتے تو رحمت بن کر نازل ہوتے ہیں وہ اس طرح کی گمراہیاں پھیلانے تو نہیں آتے' یہ فرشتے دراصل جادوگری سکھانے نہیں بلکہ حقیقت اور جادو کا فرق بتانے آئے تھے" حالانکہ یہ محض کم عقلی وکم علمی کی باتیں ہیں' فرشتوں کے متعلق یہ تصور اپنا گھڑا ہوا ہے قرآن تو یہ بتاتا ہے کہ " **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون**"

ترجمہ : وہ (یعنی فرشتے) کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے پورا کرتے ہیں (تحریم ۶) اور " **یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون ما یؤمرون**" (سورۃ النحل آیت ۵۰)

ترجمہ : "اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور جو بھی حکم دیا جاتا ہے اسے پورا کرتے ہیں۔"

فرشتوں نے اللہ کا یہ حکم بھی پورا کیا تو اس پر اعتراض کی کیا وجہ' جبکہ وہ تا کرا تمام حجت بھی کر دیتے تھے کہ **انما نحن فتنۃ فلا تکفر** (ہم تمہاری آزمائش کے لئے آئے ہیں' یہ کفر ہے' تم کفر نہ کرو) تاکہ پھر اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اسی طرح کی ایک دوسری مثال لوط علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ جو فرشتے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے وہ خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے جن کی خبر ملتے ہی قوم کے لوگ بے تحاشا لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف دوڑ پڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ ان لڑکوں کو بدفعلی کے لئے ہمارے حوالے کر دیا جائے' اب کیا یہ معترضین اعتراض کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں لوگوں کو بدفعلی پر اکسانے کے لئے کیوں بھیج دیا؟ آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ حکومت اپنے آدمیوں کو گاہک کی حیثیت سے مجرموں کے پاس بھیجتی ہے تاکہ انہیں خلاف قانون چیزوں کی خرید و فروخت یا کوئی دوسرا خلاف قانون کام کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا جا سکے۔ آیات کے مفہوم پر اچھی طرح غور کرنے کی ضرورت ہے' یہ واقعات قصہ گوئی سے لطف اندوزی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ طالب ہدایت رب کریم کے "چھوٹ اور مہلت" کے اصول کو سمجھ لے جو انسان کے امتحان کا حصہ ہے' چنانچہ جادو کی شرانگیزی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتا دیا گیا کہ اسکا اثر "اذن اللہ" کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کی مزید تائید سورۃ الفلق سے ہوتی ہے جس میں رب کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ گرہ لگا کر پھونک مارنے والیوں کے شر سے اپنے رب کی پناہ طلب کریں' اس طرح سچے مومنوں کو سحر کا توڑ مہیا کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ سحر کے مضرت رساں اثرات اگر ممکن نہ ہوتے تو پھر اس سے پناہ مانگنے کی تلقین تو بے معنی ہو جاتی۔ کتاب اللہ کو ماننے والا تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ حکیم ودانائے کل رب ذوالجلال کا کوئی حکم بے معنی ہو سکتا ہے یا نصیحت بے مقصد! قرآن کی کوئی آیت جادو اور اس کے اثرات کا مطلق انکار نہیں کرتی جس کو ناسخ مان کر ان آیات کو منسوخ قرار دیا جا سکے اور نہ ہی کسی

حدیث سے ایسا اشارہ ملتا ہے بلکہ بخاری و مسلم کی احادیث تو یہ بتاتی ہیں کہ نبی علیہ السلام آخری وقت تک معوذتین (یا معوذات) پڑھ کرا پنے اوپر دم کرتے رہے اور مرض الموت میں عائشہؓ نے پڑھ کر نبیؐ کا ہاتھ آپ کے جسم پر پھیرا۔

ایک دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ماانزل علی الملکین میں "ما" نافیہ ہے' موصولہ نہیں۔ تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ان لوگوں کا دفاعی حربہ ہے۔ پوری آیت کے ربط و تسلسل پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو قوم یہود پر اتمام حجت کے تحت بھیجا تھا اس کے مطابق وہ فرشتے پہلے ان پر یہ واضح کرتے ہیں کہ ہم تمہارے لئے محض فتنہ ہیں' جادو کرنا و کرانا کفر ہے تم اس سے باز رہو۔ لیکن پھر بھی جب یہودی اصرار کرتے تو وہ ان کو سکھا دیتے تھے۔ آیت صاف بتا رہی ہے کہ فرشتے ان کو سحر سکھاتے اور یہودی ان سے وہ علم سیکھتے تھے جس کے ذریعے شوہر وہ بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ "ما" نافیہ مانیں تو پھر اس کا تو مطلب یہ ہو گا کہ فرشتوں پر جادو نازل ہی نہیں کیا گیا لیکن آیت کہہ رہی ہے کہ فرشتے ان کو سکھاتے تھے اور یہودی ان سے سیکھتے تھے۔ اس طرح آیت کے دونوں حصے ایک دوسرے سے متضاد ہوں گے۔ قرآن کی ایک ہی آیت دو متضاد باتیں بیان کرے' یہ قرآن کے شایان شان ہرگز نہیں! صاف اور صریح آیات کو ہیر پھیر کے ذریعے ایسے معنی کا لباس پہنانا' جو سیاق و سباق سے بے ربط ہو' کوئی علمی انداز تو نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ دنیا میں تمام مادی عوامل کا اثر بھی اذن اللہ پر ہی منحصر ہے اللہ کے اذن کے بغیر نہ تو آگ جلا سکتی ہے نہ زہر سے انسان ہلاک ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی دوا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ تمام مادی اور غیر مادی عوامل اللہ کے اذان اور مشیت کے بغیر بے اثر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مادی عوامل مادی اسباب کے دائرے کے اندر محدود ہیں جن کے قوانین انسان نے مشاہدات اور غور و فکر کے ذریعے مرتب کر لئے ہیں اور ان کے لئے اسباب و اثر (Cause and effet) کی اصطلاحات وضع کر لی ہیں چنانچہ مادی عوامل کی اس سائنسی نظام کے تحت توضیح و توجیہ ممکن ہے اور بوقت ضرورت مضرت رسانی کا سدباب بھی ممکن ہے۔ اس لئے اس کا شعور و ادراک آسان ہے اس کے برعکس غیر مادی یا سفلی عملیات مادی اسباب کے دائرے سے باہر ہونے کے سبب شعور وادراک کی پہنچ سے باہر ہیں اور انسانی وضع کردہ نظام و قوانین کے تحت ان کی توجیہ ممکن نہیں' انہیں تسلیم صرف اس وجہ سے کیا جائے گا کہ قرآن و حدیث سے اس کا وجود اور محدود اثر ثابت ہے۔ رب کریم کی عظیم حکمت ہے کہ مادی شرالامور کو زیادہ وسعت دی گئی ہے۔ مثلاً ایٹم بم' راکٹ' میزائل وغیرہ کیونکہ ان کا سدباب بھی مادی عوامل سے ممکن ہے جبکہ غیر مادی یا سفلی عملیات کا دائرہ کار انتہائی محدود ہے انہیں تباہ کاریوں کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ مادی عوامل کے اثرات انسانی حواس کے دائرے میں ہونے کے سبب یقین کی حد تک پہنچتے ہیں مثلاً آگ کا جلانا' پانی کا بجھانا اور دوسرے کیمیائی عناصر کی منفعت و مضرت وغیرہ لیکن جادو وغیرہ کی تاثیر کا معاملہ بالکل برعکس ہے یہ بظاہر تو مادی قوانین و نظام کے خلاف ہے لیکن اس کا ثبوت قرآن و حدیث کے شواہد اور دلائل کی روشنی میں محض نفسیاتی و تخیلاتی حد تک اثر انداز ہونے کا ہی ملتا ہے اور وہ بھی کسی قدر محدود۔ امور شر کے وجود و اثرات کے سلسلہ میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ جس طرح رب کریم نے مادی امور کے لئے مادی ذرائع اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے غیر مادی شر کے لئے تعوذ باللہ کا نسخہ عنایت فرمایا ہے دراصل مومن مادی اور غیر مادی شرو عملیات کی مضرت رسانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے توکل علی اللہ اور تعوذ باللہ پر مکمل اعتماد کرتا ہے کیونکہ اس کا بہرحال یہ یقین کامل ہوتا ہے کہ کوئی مصیبت' پریشانی' دکھ یا تکلیف اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی جیسا کہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۵۱ میں فرمایا گیا۔ یہ ایمان و عقیدہ مادی اسباب و ذرائع سے بھی زیادہ قلبی سکون اور تقویت کا باعث بنتا ہے۔

مسئلہ کا دوسرا غور طلب پہلو یہ ہے کہ کیا کسی نبی پر سحر ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اس کا جواب موجود ہے اور اس واقعہ میں سحر کی حقیقت اور نوعیت پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ نبوت ملنے پر موسیٰ وہارون علیہما السلام فرعون کے پاس الہ واحد کی بندگی کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر جاتے ہیں' فرعون کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزات پیش کرتے ہیں' وہ انہیں جادو قرار دیتا ہے اور اپنے جادوگروں سے مقابلے کی دعوت دیتا ہے' قومی تہوار کا دن جو کہ قریب ہی تھا مقابلے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ فرعون تمام مملکت میں اعلان کروا کے بڑے بڑے جادوگروں کو بلوا لیتا ہے' جشن کے دن موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ جادوگروں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور رسیاں موجود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام ان کو اللہ پر جھوٹ باندھنے (یعنی جادوگری کے ذریعے حق کا مقابلہ کرنے) کے انجام' یعنی تباہی و بربادی سے ڈراتے ہیں بالآخر موسیٰ علیہ السلام کے مطالبے پر جادوگر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں فرعون کا نام لیکر پھینک دیتے ہیں' اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"فلما القوا سحروٓا اعین الناس واسترھبو ھم وجانو بسحر عظیم" (سورۃ الاعراف آیت ۱۱۶)

ترجمہ : "جب انہوں نے (انہیں) پھینکا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو بنا لائے"

سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے اس موقع کی منظر کشی اس طرح فرمائی ہے :

فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحر ھم انھا تسعیٰ فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ (سورۃ طٰہٰ آیت ۶۷-۶۸)

ترجمہ : "یکایک ان کی لاٹھیاں اور رسیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ علیہ السلام کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں لہٰذا موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے۔"

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادو (جسے اللہ تعالیٰ نے سحر عظیم سے تعبیر کیا ہے) آنکھوں پر کیا گیا تھا جس کے اثر سے اور لوگوں کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں بھی لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں' یہ نہیں کہا گیا کہ جادو سے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن گئیں کیونکہ جادو میں قلب ماہیت یعنی کسی چیز کو کچھ اور بنا دینے کی طاقت نہیں بلکہ صرف نظر اور خیال کو نفسیاتی حد تک دھوکا ہو سکتا ہے' اب چونکہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ سحر اثر انداز ہوا لہٰذا وہ بھی وقتی طور پر ڈر گئے حالانکہ وہ جادو کی حقیقت کو جانتے تھے کہ یہ سراسر جھوٹ ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ یونس میں آتا ہے کہ جب فرعون نے ان کے معجزات کو جادو قرار دیا تو انہوں نے کہا۔

أتقولون للحق لما جآء کم أسحر ھذا ولا یفلح الساحرون (یونس آیت ۷۷)

ترجمہ : تم حق کو یہ کہتے ہو جبکہ یہ تمہارے سامنے آیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے۔

لیکن چونکہ سحر کا اثر' اور لوگوں کی طرح انکی آنکھوں اور تخیل پر بھی ہوا (کیونکہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے) لہٰذا وہ بھی وقتی طور پر ڈر گئے۔ سورۃ طٰہٰ کی درج بالا آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں جادوگروں کی لاٹھیاں لاٹھیاں ہی رہی تھیں سانپ نہیں بن گئی تھیں وہاں وہ دوڑ بھی نہیں رہی تھیں ورنہ "یخیل الیہ" "موسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوا" کا لفظ بیکار ہو جاتا ہے۔ جادو کے جھوٹ اور فریب نظر ہونے کے سلسلے میں سورۃ طٰہٰ اور الاعراف کی آگے کی آیات مزید اور فیصلہ کن رہنمائی کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دے کر فرماتا ہے' **"والق مافی یمینک تلقف ما صنعوا"**۔ (طٰہٰ آیت ۶۹)

ترجمہ۔ "اور جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے اس کو پھینک دے یہ انکی اس بناوٹ کو نگل جائے گا۔"

واوحینآ الیٰ موسیٰ ان الق عصاک فاذا ھی تلقف ما یافکون" (الاعراف آیت ۱۱۷)

ترجمہ۔ "اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا پھینکو' (جب انہوں نے پھینکا) تو وہ ان کے جھوٹ کو نگلتا چلا گیا۔"

ان آیات میں وہ الفاظ قابل غور ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے کیے گئے کام کو "افک" (جھوٹ) اور "صنع" (بناوٹ) بتایا ہے ظاہر ہے کہ یہ "افک" اور "صنع" انکی لاٹھیاں اور رسیاں تو تھی نہیں کیونکہ یہ تو درختوں سے کاٹی گئی لکڑی اور بٹی ہوئی رسیاں تھیں جو انھوں نے خریدی یا بنائی ہو نگی یہ "افک" اور "صنع" دراصل انکا جادو تھا جسکے اثر سے یہ چیزیں دوڑتی ہوئی لگ رہی تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بننے والا "ثعبان مبین" جہاں جہاں گیا اس سحر کو نگل گیا اور یہ سحر ختم ہو گیا۔ آنکھوں پر سحر کا اثر زائل ہونے پر ہر لاٹھی بے جان لاٹھی اور ہر رسی بے جان رسی ہی نظر آنے لگی۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں ہی جادو تھیں جسکے لیے آیت میں "صنعوا" (بناوٹ) اور "یا فکون" (جھوٹ) کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ کہنے والے تو جادو کے اثرات اور بھی زیادہ مانتے ہیں کہ جادو سے کوئی لاٹھی یا رسی بھی بنائی جا سکتی ہے۔ پھر تو سارا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

باقی رہیں سطحی باتیں تو انکی کوئی اہمیت نہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ "مفسرین کا قول ہے کہ جادوگر لاٹھیوں اور رسیوں پر کوئی کیمیکل لگا کر لائے تھے جو دھوپ پڑنے سے ہلنے لگتا تھا" کچھ یوں بھی کہتے ہیں کہ "ہو سکتا ہے کہ جادوگر ربر کی رسیاں بنا کر اور بل دے کر لائے ہوں یا ان میں پارہ بھر دیا گیا ہو یا پھر کوئی اور کیمیکل استعمال کیا ہو جس سے یہ دوڑنے لگیں اور یہی جادو ہے" تو یہ منکرین کا محض تجاہل عارفانہ ہے!

اول تو یہ کہ یہ تمام باتیں مفسرین کا قول نہیں بلکہ معتزلہ کی بناوٹی باتیں ہیں۔ (جو کہ ہر بات کو عقل پر پرکھنے کے عادی تھے) اور کتب تفاسیر میں یہ سارا مواد انہی کے نام سے پایا جاتا ہے پھر یہ تاویلات قرآن کے الفاظ کا بھی ساتھ نہیں دیتیں۔ جیسے کہ پہلے آیات کے الفاظ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر مسالہ لگانا یا ربر کی رسی بنانا ہی سحر ہے تو اس کو سحر عظیم کہنے کی کیا ضرورت تھی اور اس کے لیے معجزاتی "ثعبان مبین" کی کیا ضرورت تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام ایک ایک لاٹھی اور رسی اٹھا کر بتاتے کہ ظالمو! اسمیں تو تم نے فلاں کیمیکل استعمال کیا ہے جبکہ سورۃ یونس کی آیات نمبر ۷۷ (جو پہلے درج کی جا چکی ہے) بتاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مقابلے سے پہلے ہی سحر کے بے اصل ہونے کا یقین رکھتے تھے۔

دوسری ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ "افک" اور "صنع" کے الفاظ کی جو تشریح کی گئی ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سحر لاٹھیوں اور رسیوں پر کیا گیا تھا جبکہ سورۃ اعراف کی آیت صاف بتاتی ہے کہ یہ سحر لوگوں کی آنکھوں پر کیا گیا تھا نہ کہ رسی اور لاٹھی پر! دراصل بات صرف اتنی ہے کہ سحر کوئی مادی شے تو ہے نہیں جسکی کوئی دو اور دو چار جیسی توجیہ کی جا سکے یہ تو شیطانی کلمات خبیثہ

ے
یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ معتزلی فکر کے قدیم و جدید حاملین سحر اور اس کی متعلقہ اصطلاحات کو قرآن و حدیث سے آزاد ہو کر اپنے پسندیدہ معنی و مطالب کا لباس پہنا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ صد شکر ہے رب کریم کا کہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کا سد باب فرما دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں سورۃ البقرۃ میں "**ماتتلو الشیاطین**" کو سحر کہا اور اس کو علم کی حیثیت سے پیش کیا۔ سورۃ الفلق میں گرہ لگا کر دم کرنے والیوں سے تعوذ کی ہدایت دی گئی اور پھر نبی علیہ السلام نے نسائی کی روایت میں اس کی مزید تشریح فرمادی: "**من عقد عقدۃ ثم نفث فیھا فقد سحر و من سحر فقد اشرک و من علق شیأ وکل الیہ**......(نسائی)
اس طرح قرآن و حدیث سے ثابت ہوا کہ سحر ایسا شیطانی عمل ہے جو سفلی علم، کلمات خبیثہ اور دم وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ سازشوں، پروپیگنڈوں، ہاتھ کی صفائی یا کیمیکل وغیرہ کے استعمال کو قرآن و حدیث میں سحر نہیں کہا گیا ہے۔ یہ بعد کی اختراعات ہیں۔

اور الفاظ ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت میں **"ماتتلوا الشیاطین"** اور **"یعلمون الناس"** کے الفاظ سے ظاہر ہے' یہی وہ شیطانی انگ ہے جس سے کسی شے کی بناوٹ کچھ اور دکھائی دیتی ہے' اسی انگ سے پیدا ہونے والی بناوٹ کو اژدہے نے ختم کر دیا اور ہر شے اپنی اسی حالت میں نظر آنے لگی جیسی کہ وہ مقابلے سے پہلے تھی۔ احادیث میں بیان ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے سحر کے واقعہ میں بھی یہی آتا ہے کہ اللہ نے وہ اشیاء ختم نہیں کیں جن پر سحر کیا گیا تھا بلکہ انکا اثر ختم کر دیا۔ یہاں تحت الاسباب اور فوق الاسباب کی خواہ مخواہ بحث چھیڑنا بھی کم علمی کی دلیل ہے۔ یہ تو مشیت الٰہی کے تحت ہے اور اس نے شر کو جو مہلت اور چھوٹ دی ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔ آخر شیطان دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے تو یہ فوق الاسباب ہے یا تحت الاسباب؟ معترضین کا ایک اور غلط استدلال یہ بھی ہے کہ لبید ابن اعصم یہودی کے نبی علیہ السلام پر کئے گئے سحر کا اثر تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کفار مکہ کے اس الزام کی تصدیق ہو جاتی ہے جو وہ نبی پر لگایا کرتے تھے کہ:

"وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحورا" (سورۃ الفرقان آیت نمبر ۸)

ترجمہ:۔ "اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم (یعنی صحابہ کرام) تو ایک جادو زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو۔"

اسی طرح کا مضمون سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۴۷ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہ الزام تو تمام قومیں اپنے انبیاء پر لگاتی رہی ہیں اور اسی قسم کے دوسرے الزامات بھی سورۃ بنی اسرائیل میں ہیں کہ یہی الزام فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام پر لگایا تھا:۔

"انی لاظنک یا موسیٰ مسحورا" (بنی اسرائیل آیت ۱۰۱)

ترجمہ:۔ اے موسیٰ میرا تو گمان ہے کہ ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔"

جبکہ سورۃ طٰہٰ سے موسیٰ علیہ السلام پر سحر کا اثر ہونا بھی ثابت ہے' چند لمحوں کے لئے ہی سہی! تو کیا یہاں یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے الزام کی تصدیق کی ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ فرعون کا یہ الزام اس واقعہ کے باعث نہ تھا اور نہ ہی کفار مکہ کا الزام لبید ابن اعصم کے کیے گئے سحر کے باعث تھا کیونکہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الفرقان مکہ میں نازل ہوئیں اور یہ واقعہ ہجرت کے ساتویں سال' غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا۔ اس الزام کا واقعہ سحر سے نہ کوئی تعلق ہے نہ تسلسل۔ موسیٰ علیہ السلام اور قوم موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور اس کی قوم کی نظر میں جو مقام تھا (دنیوی حیثیت سے) اسی کے پس منظر میں وہ اس طرح مخاطب ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ ہم سے عفو و درگزر کے طالب ہوتے' الٹے ہمیں وعظ و نصیحت کر رہے ہیں اور اپنی پیروی کی دعوت دے رہے ہیں اور نہ ماننے کی صورت میں عذاب کی دھمکی! ہمارے خیال میں کسی نے آپ پر جادو کر دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار مکہ اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دینے پر مسحور کہا کرتے تھے کہ لو جی! کل تک تو یہ ٹھیک ٹھاک تھے۔ آج کیسی باتیں کرنے لگے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بابا اولاد نہیں دے سکتے' اسماعیل علیہ السلام بابا بگڑی نہیں بنا سکتے' "لات" بابا گنج بخش نہیں ہے' مناۃ اور عزیٰ کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے بلکہ سب کچھ کرنیوالی ذات اکیلے اللہ کی ہے تو ضرور ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا پھر ہمارے دیوتاؤں ہی کی مار پڑی ہے اور انکی یہ ساری تعلیمات جادو ہی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن یہ واقعہ جو سورۃ الفرقان اور بنی اسرائیل کے نزول سے سالوں بعد وقوع پذیر ہوا انکے الزام کی کیسے تصدیق کر سکتا ہے؟ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ فرعون کے الزام کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ صرف یہ بتاتا ہے کہ نبی بھی انسان ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا اس پر بھی اور انسانوں کی طرح بشری کیفیات ہی گزرتی ہیں اور یہ نبی کی عصمت کے منافی نہیں جسکا اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ آیت ۶۷ میں ذمہ لیا ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کو ستایا گیا اور بعض کو قتل کیا گیا' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ستایا گیا' ان پر غلاظت ڈالی گئی' طائف میں پتھروں سے زخمی کیا گیا۔ غزوہ احد میں زخمی ہوئے۔ یہ مادی مضرت رسانی تھی پھر یہ سحر کا واقعہ جسکا اثر صرف نبی علیہ السلام کی خانگی زندگی پر ہوا نبوت و رسالت کے کام پر یہ ہر

گزا اثر انداز نہیں ہوا' تمام روایات میں بیان کردہ اس واقعہ کا تعلق نبی علیہ السلام کی ذاتی زندگی ہی تک محدود ہے لہٰذا اسے اس سے باہر لے جانے کی کوشش سفیہانہ و شاطرانہ انداز ہے اور محتاج دلیل بھی۔

اس کے علاوہ بھی کچھ عجیب و غریب باتیں سامنے آئی ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے مسئلہ بالکل واضح ہے اس کے باوجود کٹ حجتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ نہ جانے منکرین حدیث کی طرح احادیث صحیحہ پر اعتراضات وارد کر کے یہ کون سا باطل مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔[1] ان لوگوں کے اٹھائے ہوئے اکثر اشکالات کی تسلی بخش وضاحت تو مضمون میں کر دی گئی ہے۔ لیکن چند باتیں ایسی ہیں جنکی وضاحت یہاں ضروری ہے تاکہ خواہ مخواہ کسی کے ذہن میں کوئی اشکال نہ رہے۔ اعتراض نقل کر کے اس کی وضاحت نیچے درج کی جاتی ہے۔

اعتراض:۔ اگر جادو اللہ کا کلام ہوتا تو حق ہوتا باطل نہ ہوتا کفر و شرک نہ ہوتا۔

جواب:۔ اس طرح قرآن و حدیث کے مقابلہ میں عقلی اعتراضات وارد کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے جادو فرشتوں پر نازل کر کے اسے محدود چھوٹ دی تو اسکا مطلب یہ کیسے ہو گیا کہ جادو حق ہے باطل نہیں' جبکہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ کفر ہے لہٰذا اپنا ایمان برباد نہ کرو' اگر کسی چیز کے حق یا باطل ہونے کا انحصار اسی بات پر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اتارا اور چھوٹ دی ہے تو پھر شیطان اور اس کے کارناموں کو بھی حق قرار دینا پڑیگا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے چھوٹ دی ہے اگرچہ اس سے خبردار بھی کر دیا ہے کہ یہ تمہارا دشمن ہے۔ کیا اس کے لئے کوئی تیار ہو سکتا ہے؟ اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ بات کو قرآن و حدیث کے ٹھوس دلائل سے منوانے کے بجائے قاضی بیضاوی اور شیخ زادہ کے فتووں سے منوایا جا رہا ہے۔

اعتراض:۔ موسیٰ علیہ اسلام جادو سے خوفزدہ نہیں ہوئے تھے کیونکہ جادوگروں کے حربے پھینکتے ہی انہوں نے کہا تھا کہ **ماجئتم به السحر...... الخ** "تم نے جو کیا ہے یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اسے باطل کر دے گا۔" (سورۃ یونس)

جواب:۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس جادو ہی سے دل میں خوف محسوس کیا تھا اور کسی وجہ سے نہیں جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیات میں پہلے آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ "یکایک ان کی لاٹھیاں اور رسیاں موسیٰ کے خیال میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں' پس موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے" سورۃ یونس کی آیات سے جس طرح نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ انداز سراسر غلط ہے۔ اگر ایک واقعہ قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہو تو ان تمام مقامات کو سامنے رکھتے ہوئے واقعہ مرتب کیا جاتا ہے ورنہ اختلاف آیات لازم ہو جاتا ہے اور یہ قرآن میں ممکن نہیں کہ اس میں اختلاف ہو۔ سورۃ طٰہٰ کی آیات کے مطابق جب موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ "ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے ... یہ تو جو کچھ بنا لائے ہیں یہ ساحر کی فریب کاری ہے اور ساحر جس شان سے آئے کامیاب نہیں ہوتا۔" تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور انہوں نے کہا "تم جو بنا لائے ہو یہ جادو ہے اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے کیونکہ اللہ مفسدین کے کام کو سدھرنے نہیں دیتا۔" اگر اس طرح سے واقعات کو ترتیب نہ دیا جائے تو تفسیر القرآن بالقرآن کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔ لوط علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آتے ہیں تو قوم والے خوشی کے مارے انکے گھر جمع ہو گئے اور مطالبہ کیا کہ ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ لوط علیہ السلام ان کی بے انتہا منت سماجت کرتے

---

[1] سوائے اس کے کہ شکوک و شبہات کے ذریعہ ایمانداروں کو راہ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں شیطان کا ساتھ دیں۔

رہے کہ "اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو" کیونکہ لوط علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ یہ فرشتے ہیں' فرشتوں نے انہیں بعد میں بتایا کہ "اے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں انکے ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکتے" (سورۃ ھود) جبکہ سورۃ العنکبوت کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے آتے ہی لوط علیہ اسلام کو اپنی حقیقت بتادی تھی اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ورنہ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ قوم کے لوگوں کے بلہ بولنے پر جو آپ نے انکی منت سماجت کی اور یہ تک کہا "کاش میرے پاس تمہیں سیدھا کردینے کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا" تو یہ سب نعوذ باللہ ڈرامے سے زیادہ کوئی چیز نہ تھی! ایسی اور بھی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

اعتراض:۔ فرعونی ساحر نقلی سانپ بنا کر لائے تھے اور ان میں پارہ بھر دیا تھا' وہ دھوپ میں گرم ہو کر چلنے لگے۔

جواب:۔ یہ عقلی توجیہات ہیں جو معتزلہ سے منکرین نے مستعار لی ہیں۔ کتب تفاسیر دیکھی جاسکتی ہیں' پتہ چل جائے گا کہ یہ خیالات کن کے ہیں۔ اگر جادوگر لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ کی شکل کا بنا کر لائے ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام انہیں مقابلے سے پہلے ہی ٹوک دیتے کہ تم تو سانپ لے آئے جبکہ لاٹھی سے سانپ بنا کر دکھانا تھا۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ لاٹھیاں اور رسیاں نہ تو سانپ بن گئی تھیں اور نہ ہی دوڑ رہی تھیں اگر ایسا ہوتا تو اس کے اظہار کے لئے الفاظ تقریباً اس قسم کے ہوتے کہ **"فاذا حبالھم و عصیھم من سحر ھم تسعیٰ"** (انکی لاٹھیاں اور رسیاں انکے جادو کی وجہ سے دوڑنے لگیں) جبکہ آیت یوں ہے **"فاذا حبالھم و عصیھم یخیل الیہ من سحر ھم انھا تسعیٰ"** (موسیٰ علیہ السلام کو ایسا خیال ہوا کہ انکی لاٹھیاں اور رسیاں انکے جادو سے دوڑ رہی ہیں) "یخیل الیہ" کا لفظ نفس مسئلہ یعنی جادو کی حیثیت قطعاً واضح کردیتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں کوئی لفظ بے کار استعمال نہیں کیا گیا ہے اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ صحیحین کی احادیث میں نبی علیہ السلام پر کیے جانے والے جادو کا جو ذکر آتا ہے' اسمیں بھی راوی یہی بیان کرتے ہیں کہ **"کان رسول اللہ یخیل الیہ انہ یفعل الشئ و ما فعلہ"** (رسول اللہؐ کسی کسی کام کے متعلق یہ خیال فرماتے تھے کہ یہ کام میں کرچکا ہوں اور وہ نہیں کیا ہوتا تھا) موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ میں "یخیل الیہ" کا لفظ مشترک ہے اب ایک کا اقرار اس وجہ سے کہ یہ قرآن میں بیان ہوا ہے اور دوسرے کا انکار کہ احادیث میں بیان ہوا ہے اور وہ احادیث بھی صحیح ہوں تو یہ کسی مسلم کا ذہن تو نہیں ہوسکتا' اسے پھر منکرین حدیث کا ذہن نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

اعتراض:۔ مسند احمد اور حاکم وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جادو کی تصدیق کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

جواب:۔ قرآن مجید اور صحیحین کی احادیث سے مسئلہ واضح ہو جانے کے بعد مسند احمد اور حاکم وغیرہ کی روایات کو مقابلہ میں لانا اور ان سے استدلال کرنا انتہائی جاہلانہ و سفیہانہ انداز ہے۔ بایں ہمہ دیکھئے کہ یہ روایات تو صرف یہ بتاتی ہے کہ **"مصدق السحر"** (جادو کو سچ جاننے والا یعنی جادو کو حق سمجھنے والا) جنت میں نہیں جائے گا اور الحمدللہ ہم نہ تو سحر کو حق سمجھتے ہیں اور نہ ہی اسباب میں جاری ایک سبب سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہم اسے کفر' فریب' بناوٹ اور جھوٹ سمجھتے ہیں' جس کی تفصیل مضمون میں موجود ہے۔ ایک دعویٰ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام پر سحر کیے جانے کے واقعہ کو بیان کرنے والی تمام روایات ضعیف ہیں اور ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دجال کے بارے میں آنے والی تمام روایات بھی ضعیف ہیں حالانکہ صحیح بخاری اور مسلم میں ان مضامین کی متعدد روایات موجود ہیں اور پھر اس اجمال کی کوئی تفصیل بھی ابھی سامنے نہیں آئی۔ صاف

نظر آتا ہے کہ یہ شوشے چھوڑنے والے انکار حدیث کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ بہر حال ! ضروری ہے کہ یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔ چونکہ سحر کی روایات پر باقاعدہ تحریری طور پر کوئی علمی اعتراض 'اصول حدیث کی بنا پر سامنے نہیں آیا اسلئے منکرین حدیث سے سابق ملاقاتوں میں سنے ہوئے اعتراض کو ہی نقل کر کے جواب نذر قارئین کرتے ہیں۔

اعتراض:۔ یہ واقعہ صرف ھشام بن عروہ سے مروی ہے اور آخری عمر میں جب یہ عراق گئے تو ان کا حافظہ جواب دے گیا تھا۔ چنانچہ کوفی راویوں کی ھشام سے روایات نا قابل اعتبار رہیں۔

جواب:۔ ھشام بن عروہ کے متعلق کسی محدث نے یہ نہیں کہا کہ آخری عمر میں انکا حافظہ بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کتب اسماء الرجال ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ان میں صرف یہ پایا جاتا ہے کہ آخر عمر میں انکے حافظے میں کمزوری واقع ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں جوانی جیسا حافظہ تو نہیں رہتا۔ ھشام ۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۴۵ یا ۱۴۶ ہجری میں تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں انکی وفات ہوئی۔ انکے حافظے میں کمزوری کے متعلق کچھ فنی بحثیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کمزوری کس نوعیت کی تھی لیکن یہ ہم روایات سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ حافظے میں کمزوری آنے سے پہلے تو انکے ثقہ اور ثبت ہونے میں کسی کو کوئی اشکال نہیں۔ عبد الرحمان بن یوسف بن خراش کہتے ہیں "سمع منہ باخرہ وکیع وابن نمیر ومحاضر" (تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۴۰)

(آخری عمر میں ان سے وکیع ابن الجراح' عبد اللہ ابن نمیر اور محاضر ابن تمیم نے روایات سنی ہیں)۔

معلوم ہوا کہ آخری عمر میں جب انکے حافظے میں کمزوری واقع ہوئی تو اس وقت مندرجہ بالا تین اشخاص نے ان سے روایات اخذ کی ہیں جبکہ بخاری میں سحر کے متعلق جتنی روایات ہیں ان میں ھشام سے نقل کرنے والے ان تینوں میں سے کوئی نہیں۔ "کتاب الطب" (باب السحر) میں پہلی روایت کے ھشام سے راوی عیسیٰ بن یونس ہیں اس روایت کے آخر میں امام بخاری بتاتے ہیں کہ "اس روایت کو ھشام سے ابو اسامہ' ابو ضمرہ' انس بن عیاض)' ابن ابی الزناد' لیث ابن سعید اور سفیان بن عیینہ نے بھی روایت کیا ہے"

اسی باب میں سحر کی دوسری روایت میں سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم سے یہ حدیث ابن جریج نے بیان کی ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمیں آل عروہ نے عروہ ابن الزبیر سے سن کر حدیث سنائی۔ پھر سفیان کہتے ہیں کہ (جب میری ملاقات ھشام سے ہوئی) میں نے ھشام سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے حدیث سنائی۔ تیسری روایت ھشام سے ابو اسامہ بیان کرتے ہیں "کتاب الادب" باب "**قول اللہ تعالیٰ ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان...... الخ**" میں بھی یہی روایت سفیان سے مروی ہے۔

"کتاب بداء الخلق" باب "صفۃ ابلیس وجنودہ" میں اس روایت کے ھشام سے راوی عیسیٰ بن یونس ہیں' اسی روایت میں لیث ابن سعد کہتے ہیں "مجھے ھشام نے لکھ کر بھیجا کہ انہوں نے اس روایت کو اپنے والد سے سنا اور یاد رکھا" پھر آگے حدیث ہے۔ "کتاب الدعوات" باب "تکریر الدعا" میں اس روایت کے ہشام سے راوی ابو ضمرہ (انس بن عیاض) ہیں۔ الغرض روایات میں ھشام بن عروہ سے روایت کرنے والا ان تین راویوں میں سے کوئی نہیں جنھوں نے ان سے آخری عمر میں روایات سنی ہیں۔ البتہ مسلم میں جو

راوی عبد الرحمٰن ابن ابی الزناد مدینے کے رہنے والے ہیں' جن کے بارے میں یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ھشام بن عروہ سے روایت کرنے والوں میں سب سے پختہ ہیں (تذکرۃ الحفاظ)

دو روایات ہیں ان میں پہلی روایت کے ھشام سے راوی عبداللہ ابن نمیر ہیں جو ان تین راویوں میں شامل ہیں۔ لیکن اس میں بھی بخاری کی روایات سے صرف اتنا اختلاف ہے کہ عائشہؓ کا سوال "افلا استخرجتہ" (آپ نے ان اشیاء کو نکالا نہیں؟) اس صورت میں بیان کیا گیا ہے "افلا احرقتہ" (آپ نے ان اشیاء کو جلا نہیں دیا؟) باقی پوری روایت بخاری کی روایات کی طرح ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ھشام کے حافظے میں معمولی ہی کمزوری آئی تھی۔

صحیح بخاری کی روایات میں ھشام سے راویوں میں ابن جریج مکہ کے رہنے والے ہیں' لیث ابن سعد (مشہور فقیہ) مصر کے رہنے والے ہیں۔ اور ابو ضمرہ (انس بن عیاض) مدینے کے رہنے والے ہیں جس سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ اس روایت کا تمام تر دارومدار کوفہ ہی کے محدثین پر ہے اور ابن جریج جو یہ کہتے ہیں کہ "ہمیں آل عروہ نے حدیث سنائی" اگرچہ انہوں نے کسی کا نام نہیں لیا لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ھشام کے علاوہ عروہ کے دوسرے بیٹوں نے بھی یہ حدیث روایت کی ہوگی۔ مندرجہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) بخاری میں سحر کے واقعے کو بیان کرنے والی روایات کا دارومدار صرف کوفہ ہی کی محدثین پر نہیں بلکہ دوسرے متعدد محدثین نے بھی اس کو روایت کیا ہے' لہٰذا یہ اعتراض خود بخود کالعدم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوفہ کے محدثین میں سے کوئی بھی ان تین راویوں میں شامل نہیں' جنہوں نے ھشامؒ سے آخری عمر میں احادیث سنی ہیں۔ اس طرح بخاری کی روایات پر یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

(۲) اب رہیں مسلم کی دو روایات تو ان میں سے ایک روایت میں عبداللہ ابن نمیر ان تین میں شامل ہیں جنہوں نے آخری عمر میں ھشام سے روایات لی ہیں' دوسری روایت میں کوئی نہیں' اور اس ایک روایت کا بھی بخاری کی روایت سے اتنا معمولی فرق ہے جو اعتراض کو بالکل ہی غیر موثر کردیتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم کے واقعہ سحر کی روایات پر منکرین حدیث کا اعتراض قطعاً" بے بنیاد ہے۔

اعتراض:۔ اس روایت میں اضطراب بھی ہے۔

جواب:۔ اگر دو یا تین جملوں یا الفاظ کے مختلف ہونے سے روایت کو مضطرب قرار دیا جانے لگے تو کم ہی روایات بچ سکیں گی جبکہ فرق بھی معمولی ہو۔ اصول حدیث کے لحاظ سے مضطرب روایت تو وہ ہوتی ہے جسمیں اضطراب کو دور نہ کیا جاسکتا ہو اور لازماً ایک طریق کو ترجیح دینی پڑے۔ جبکہ یہاں تو تطبیق کی صورت موجود ہے اگر صحیح روایت کے بعض جملوں کی تطبیق نہ ہو سکے تو بھی مشترک باتیں لے لی جاتی ہیں اور مضطرب چھوڑ دی جاتی ہیں جسکی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اس روایت میں جو اضطراب بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ راوی یہ بھی بیان کر رہا ہے کہ وہ اشیاء جن پر سحر کیا گیا تھا کنویں سے نکالی بھی گئیں اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ عائشہؓ نے پوچھا "افلا اخرجتہ" (آپ نے ان چیزوں کو نکالا نہیں؟)۔ تو اسمیں مطابقت یوں ہے کہ نبی علیہ السلام نے وہ غلاف (جو نر کھجور کے خوشے کا تھا) تو نکلوایا لیکن اسمیں سے کنگھی اور بالوں کو نہیں نکلوایا۔ اس کے متعلق عائشہؓ نے سوال کیا تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ "جب اللہ نے مجھے شفا دے دی تو مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں لوگوں میں خواہ مخواہ ایک شور پھیلاؤں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ "اگر ایسا ہوا ہوتا تو اس واقعے کے بہت سے راوی ہوتے" جب نبی علیہ السلام ہی نے اس معاملے کو مخفی رکھا اور اس کی تشہیر نہیں کی اور اسکا معمولی سا اثر بھی صرف نبی علیہ السلام کی خانگی زندگی کے ایک گوشے پر ہی ہوا تو یہ اعتراض کیسے کیا جاسکتا ہے؟

(باقی صفحہ ۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ——— ترتیب : سلمان عبداللہ

سوال : ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جن کتابوں کی وجہ سے اکابرین دیوبند و بریلوی' اہلحدیث' احمد بن حنبل اور ابن قیم وغیرہ غلط قرار پاتے ہیں' وہ سب فاسقین اور اندھے عقیدت مندوں کی تحریر کردہ ہیں' ان کی اپنی نہیں اور فاسق کی خبر کو قرآن ناقابل قبول قرار دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے کہ "اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو....." تو پھر اس کے مطابق ان کتابوں کو کیسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے اور جب آسمانی کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے تو پھر ان کتابوں میں تحریف کیا مشکل ہے؟

جواب : اس سلسلے میں تین چیزیں ہیں۔ پہلی یہ کہ ہماری ان بزرگوں سے کوئی ملاقات یا صحبت رہی ہو چاہے وہ ۵۶۵ھ میں وفات پانے والے عبدالقادر جیلانی ہوں' چاہے ۴۹۱ھ میں مرنے والے علی ہجویری یا کوئی اور۔ پھر تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھائی! ان لوگوں کے ساتھ ہمارا اٹھنا بیٹھنا رہا ہے' ہمارے شب و روز ان کے ساتھ گذرے ہیں۔ یہ خالص اللہ والے اور سچے مسلمان تھے' یہ لوگ ایسی باتیں نہیں کہہ سکتے' یہ ان کی کتابیں نہیں ہیں۔

دوسری چیز خود "خبر" ہے جو کتابوں کی شکل میں آئی ہے۔ اس خبر کو سب نے مانا ہے۔ جیسا کہ "کشف المحجوب" ہے۔ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ کتاب علی ہجویری عرف "داتا گنج بخش" صاحب کی ہے' وہ بڑے اللہ والے تھے' انہوں نے بڑی توحید بیان کی ہے یا "انفاس العارفین" ہے۔ ساری دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ہے اور سب کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بہت اچھی اچھی باتیں لکھی ہیں۔ یا احمد بن حنبل کا اپنا خط ہے۔ اسے خبر کہتے ہیں۔ ان کتابوں کے شاہد نہ ہم ہیں اور نہ آج کے دنیا والے۔ جب ان کتابوں کی شکل میں خبر آئی تو ساری دنیا نے تصدیق کی کہ ہاں! یہ فلاں بزرگ کی کتاب ہے یا فلاں امام کا خط ہے۔ اور اسی خبر کی بنیاد پر کہا گیا کہ یہ بڑے بزرگ ہیں' ولی اللہ ہیں' امام ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو مانا گیا ہے یہاں تک کہ اس پر عقیدے بنائے گئے ہیں۔ چاہے وہ کتاب و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

تیسری چیز استنباط ہوتی ہے۔ ہم نے کہا بالکل ٹھیک ہے یہ واقعی انہی کی کتابیں ہیں لیکن جس طرح تم نے ان کتابوں سے استنباط کیا اور کہا کہ یہ اولیاء اللہ ہیں' اسی طرح ہم نے بھی ان کتابوں کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھ کر کہا کہ یہ سب قرآن و حدیث کے خلاف لکھنے والے اور غلط لوگ تھے۔

اب ان میں سے کسی بھی "امام" یا "ولی" کی کتاب ہو' چاہے اس کو مرے ہوئے چھ سو برس کا عرصہ گزر چکا ہو' تو سو برس ہو گئے ہوں یا گیارہ سو برس گزر گئے ہوں' ساری دنیا اب تک مانتی چلی آئی ہے کہ یہ کتابیں بلا شک و شبہ انہی بزرگوں کی ہیں۔ لیکن

جب میں نے انہی کتابوں میں لکھے گئے مضامین کی بنیاد پر ان "بزرگوں" پر انگلی اٹھائی تو کہتے ہیں کہ یہ ان کی کتابیں نہیں ہیں۔ کیا ستم ظریفی ہے یہ؟ میں کہتا ہوں چلئے یہ ان کی کتابیں نہ سہی۔ تم ذرا وہ کتابیں تو لے آؤ جو ان کی اپنی ہوں اور ان میں خالص قرآن و حدیث کے مطابق باتیں لکھی گئی ہوں، جن کی بنیاد پر انہیں ولی اللہ کہا گیا ہے۔ میں چیلنج دیتا ہوں کہ اگر تم نے ایسا کر دکھایا تو میں تمہارے ماتھے کو چوم لوں گا اور اب تک اس سلسلے میں جو کچھ کہا یا لکھا ہے اسے واپس لے لوں گا۔

سوال : اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ صرف میری حمد و ثناء کرو۔ مگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی بھی اگر تعریف و ثناء کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب : اللہ کی ثنا اور اس کے بندوں کی تعریف، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک خالق کائنات ہے، مالک الملک ہے، سارے جہاں کا پالنہار و پروردگار ہے اور ایک اپنے مالک کا غلام ہے، وفادار و وفا شعار ہے۔ نمک خواری کرنے کے بعد نمک حلال ہے۔ اپنے مالک کا حکمبردار اور اس کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہے۔ اس کا مرزوق اور محکوم ہے۔ اس کی تعریف اور ہے جبکہ اس کے خالق و مالک اور آقا کی تعریف کی بات اور ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن ان دونوں کو اگر ملا دیا جائے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سرور عالم یا سرکار دو عالم کہا جائے یعنی غلام اور آقا کو برابر کر دیا جائے تو یہ شرک ہے جو بہت بڑا ظلم ہے۔ سرور، فارسی زبان کا لفظ ہے جو سردار کے معنوں میں آتا ہے اسی طرح سرکار، کے معنی بھی آقا اور مالک الملک کے ہوتے ہیں اور یہ دونوں اللہ، رب ذوالجلال کی صفات ہیں۔ اگر کوئی اس طرح کے القابات پر مبنی یہ صفات اس کے بندوں کو دیتا ہے تو یہ اللہ کے وقار کی چادر پر ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے اور اس کے غضب کو بھڑکانے والی چیز ہے۔

سوال : یزید بن معاویہؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : ویسے تو ہمارے لئے تاریخ بھی اہم چیز ہے لیکن ایک ایماندار تاریخ کو ہمیشہ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔

قرآن کہتا ہے :

وما اٰتکم الرسول فخذوہ، وما نھٰکم عنہ فانتھو،

"جو رسول، تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ" (الحشر)

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث میں فرمایا :

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم○

"میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا بخشایا ہے۔"

یہ حدیث لانے کے بعد بخاری نے محمود بن ربیع کی ایک روایت سے یہ بھی ثابت کیا کہ اس جنگ میں ابو ایوب انصاریؓ شامل تھے اور اس لشکر کے سالار یزید بن معاویہؓ تھے۔ معلوم ہوا کہ بخشے ہوئے لوگوں میں لشکر کا صرف ایک شریک ہی نہیں بلکہ سپہ سالار سمیت تمام لوگ جو اس لشکر میں شامل تھے، بخشے بخشائے ہیں۔ اب جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت، بخاری کی حدیث کے ذریعے ثابت ہو گئی تو ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ لیکن جب دین میں تفرقہ بازی ہو جاتی ہے تو پھر ہر ایک من مانی کرنے لگتا ہے اور اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے صحیح حدیث کو بھی جھٹلا دیا جاتا ہے۔

سوال : جب آپ امام بخاری اور امام مسلم کو مانتے ہیں تو ان کی لکھی ہوئی شب برات کی حدیث کو کیوں نہیں مانتے؟

جواب : ہرگز نہیں۔ بخاری اور مسلم میں شب برات کے اوپر ایک بھی روایت نہیں ہے۔ جو روایت مسلم میں آئی ہے وہ بھی شب، برات کی نہیں ہے۔ اس روایت میں یہ ہے کہ ایک رات عائشہؓ کو شک ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے ہیں۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو حکم دیا کہ بقیع میں جو صحابہ کرامؓ دفن ہیں ان کے لئے مخصوص دعا کیجئے۔ اس میں تین قبروں پر جانے کی بات ہوئی۔ پہلی مرتبہ آپ ؐ نے اپنی ماں کے لئے دعا کی اجازت مانگی جو رد کر دی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو خود حکم دیا کہ جنت البقیع میں مدفون صحابہؓ اور احد کے شہدا کے لئے دعا کیجئے۔ مسلم میں ہے کہ جب نبی علیہ السلام وہاں پہنچے تو پیچھے پیچھے عائشہ رضی اللہ عنہا بھی پہنچ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر انہوں نے جواب دیا کہ میرا خیال تھا کہ شاید آپ ؐ کسی اور زوجہ کے یہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ اس حدیث میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ یہ شعبان کی پندرھویں رات تھی۔ جو شب برات والی حدیث ہے وہ بخاری و مسلم میں نہیں بلکہ دوسری کتب حدیث میں بیان کی گئی ہے اور اس کی بھی حیثیت آپ کے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ ناقابل اعتبار ہے۔

سوال : کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟

جواب : یہ انہی کا انقلاب ہے جو میرا تو خیال یہ ہے کہ آج دنیا میں یہودی بھی اسلام کا اتنا دشمن نہیں جتنے یہ لوگ ہیں۔ آپ خود ہی بتایئے! جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ خلفائے راشدین نے قرآن بدل دیا۔ قرآن سات گنا زیادہ تھا۔ اور جو یہ کہیں کہ امام مہدی آئیں گے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو ان کی قبروں سے نکال کر دن میں ہزار بار پھانسی دیں گے اور عائشہؓ اور حفصہؓ کو زندہ کر کے سخت سزا دیں گے کیونکہ یہ منافقہ تھیں (نعوذ باللہ) اور انہوں نے زہر دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالا تھا اور پھر یہ کہ سوائے تین کے باقی سارے صحابہؓ منافق تھے۔ یہ تین سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ اور ابن اسودؓ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت باقی سب صحابہؓ کا نفاق ظاہر ہو گیا تھا۔ اور یہ سب کسی عام ایرانی نے نہیں بلکہ ان کے بڑے امام خمینی صاحب نے کہا ہے۔ "کشف الاسرار" پڑھیں! اس طرح کی کتنی اور چیزیں ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے! جب یہ اسلامی انقلاب ہے تو پھر غیر اسلامی انقلاب کیا ہو گا؟

سوال : کیا نماز میں فاتحہ کے بعد باآواز بلند آمین کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب : اس سلسلے میں وائل بن حجر سے ایک روایت آتی ہے۔ اس کے دو راوی ہیں سفیان ثوریؒ اور شعبہؒ۔ یہ دونوں برابر کے امام ہیں۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ جب آپ ؐ نے آمین کہی تو زور سے کھینچا۔ اور شعبہؒ کہتے ہیں کہ آپ ؐ نے آمین آہستہ سے کہی۔ اس طرح سے یہ روایت تو اختلافی بن گئی۔ اس کے بعد بخاری نے عبداللہ بن زبیرؓ کا عمل بیان کیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو حجاج بن یوسف نے قید کر دیا تھا تو جب آپ نماز پڑھاتے تھے اور آمین کہتے تھے تو مقتدی بھی آمین کہتے تھے اور مسجد ان کی آواز سے گونج جاتی تھی۔ بخاری اس کے علاوہ کوئی اور روایت اس موضوع پر نہیں لائے۔ لیکن ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ؐ آمین صرف اتنے زور سے کہتے تھے کہ صف اول کے لوگ سن لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حدیث میں تو یہ معاملہ اختلافی ہے۔ ہاں اب ہمارے لیے یہ ہے کہ آمین ضرور کہنی چاہئے لیکن اس کا انداز نہ تو حنفیوں کی طرح ہو کہ آواز بالکل ہی نہیں نکلتی اور نہ ہی اہلحدیثوں کی طرح کہ آسمان سر پر اٹھا لیا جائے بس یہ کہ اتنا ہونا چاہیے کہ برابر والا سن لے۔

سوال : آپ مزار پرستی کے خلاف ہیں ان میں مدفون اولیاء کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب : میری رائے وہی ہے جو قرآن و حدیث کی رائے ہے۔ اللہ فرماتا ہے :

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○ الذین امنوا و کانوا یتقون ○

ترجمہ : سن رکھو اولیاء اللہ کو کوئی خوف اور غم نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ قرآن کی رو سے یہ اولیاء اللہ کی تعریف ہے۔ ان کا ایمان بہت مضبوط اور شرک کے ہر شائبے سے پاک ہوتا ہے۔ یہ ہر قدم اللہ سے ڈر کر اٹھاتے ہیں۔ ان

کے بارے میں حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب (بخاری)

ترجمہ : جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کیا۔

اور وہ لوگ جو آج اولیاء اللہ سمجھے جاتے ہیں "ایمان خالص" قسط اول میں ان کی اپنی کتابوں کے فوٹو میں نے دیئے ہیں۔ چاہے وہ علی ہجویری ہوں جو نبی علیہ السلام پر یہ الزام لگائیں کہ آپ نے زینبؓ کو برہنہ نہاتے ہوئے دیکھا اور ان پر عاشق ہو گئے اور پھر زیدؓ پر ان کی بیوی (زینبؓ) حرام ہو گئیں۔ چاہے عبدالقادر جیلانی ہوں جو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں (یعنی اولیاء اللہ) کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور پھر اپنے اندر فنا کرنے کے بعد ان اولیاء کے ہاتھ میں دنیا اور دنیا والوں کی قسمتیں دے دیں یا اسی طرح کے کوئی اور دعویدار ہوں' ان سب کا یہی معاملہ ہے ان کی کتابیں کفرو شرک سے بھری پڑی ہیں۔ یہی تو میں نے اپنی کتاب میں دکھایا ہے کہ قرآن تو ایمان داروں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اولیاء اللہ کہتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ اور ان کے نقوش پا پر چلنے والے دوسرے سلف صالحین تھے جو صحیح معنوں میں اولیاء اللہ اور قرآن وسنت کے سچے پیروکار تھے۔ باقی یہ نام نہاد اولیاء جنھوں نے دین اسلام کے مقابلے میں اپنا خود ساختہ اتحادی دین پیش کیا ہے۔ جس کی بنیاد فلسفہ وحدت الوجود پر ہے۔ جس کے مطابق ہر چیز اللہ کی ذات کا حصہ ہے۔ اور اس طرح خالق و مخلوق کی تمیز مٹا ڈالی۔ یہ کیسے اولیاء اللہ ہو سکتے ہیں۔ انکی حیثیت تو واضح ہے۔

نبی علیہ السلام نے اس کی وضاحت فرمادی فرمایا "**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**" یعنی سب سے اچھا میرا دور پھر اس سے متصل دور (یعنی صحابہؓ کا) پھر اس سے متصل دور (یعنی تابعین وتبع تابعین کا دور)

★★ بقیہ :۔ سحر ★★

اعتراض :۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر معوذتین نازل کی گئیں جن کو پڑھ کر نبی علیہ السلام نے سحر کا توڑ کیا جب کہ یہ سورتیں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) تو مکہ میں نازل ہوئیں۔

جواب :۔ بخاری ومسلم کی روایات میں اس موقع پر معوذتین کے نزول کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صحاح سے باہر کی کتابوں میں ہے جو شیخین کی احادیث کے سامنے دلیل نہیں اور اگر ایسا نبی علیہ السلام نے کیا بھی ہو تو بھی یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ یہ سورتیں تو موجود تھیں لیکن انکا استعمال اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے بتایا' اس کے لئے موسیٰ علیہ السلام ہی کے واقعہ پر غور کر لیا جائے کہ عصاء ان کے پاس موجود ہے' لیکن ہر موقع پر ان کو اس کے استعمال کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے جادوگروں سے مقابلے کے وقت فرمایا گیا "**الق عصاک**" (اپنا عصاء پھینکو)' بحر احمر کو پار کرنے کے لئے حکم ملا "**اضرب بعصاک البحر**" (اپنا عصا سمندر پر مارو) پانی کا مطالبہ ہوا تو حکم ملا "**اضرب بعصاک الحجر**" (اپنا عصا پتھر پر مارو) دیکھیں عصاء تو موجود ہے لیکن ہر موقعہ پر استعمال کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ نبیؐ بالآخر بشر ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور نصرت کا ہر وقت محتاج۔ یہ واقعات اسی بات کو واضح کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے ہیں' قصہ کہانی کے طور پر نہیں تاکہ اس کے ذریعے بعد کے ادوار میں نبی علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ شریک سمجھ کر بندگی کرنے والوں پر حجت تمام ہو جائے۔ بہر حال ان روایات پر تو اتنی تفصیل کی ضرورت بھی نہیں' البتہ نبی علیہ السلام کا جو معمول تھا کہ رات کو سوتے وقت معوذتین پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے جسم پر پھیر لیتے تھے تو قیاس یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی یہ معمول بنایا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمام شیطانی وساوس سے اپنی پناہ میں رکھے (آمین)!

رپورٹ سیشن

قافلہ ہے رواں دواں (بحمد اللہ)

گذشتہ سے پیوستہ

ترتیب : محمد افضل خان و شکیل الرحمٰن

بلوچستان و پنجاب کا دورہ

امیر تنظیم محمد حنیف صاحب کے مذکورہ بالا دورے کے سلسلے میں کراچی سے ساتھیوں کے دو مختصر قافلے روانہ ہوئے۔ پہلا قافلہ امیر تنظیم کے ہمراہ عبدالرؤف صاحب کی گاڑی میں دس اکتوبر ۹۲ کو بعد صلوٰۃ الفجر روانہ ہو ترنڈہ ضلع رحیم یار خان سے امیر پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب کو لیکر ملتان' کبیر والہ' جھنگ اور فیصل آباد سے ہوتا ہوا' ۱۳ اکتوبر کو ظہر کے وقت مسجد توحید ڈیرہ غازی خاں پہنچ گیا۔ امیر تنظیم کے مزکورہ مقامات کے مختصر دورہ کا مقصد ان علاقوں میں مقیم تحریکی ساتھیوں سے ملاقات کرکے ان کی خیروعافیت معلوم کرنا تھا کیونکہ یہ علاقہ پنجاب میں آنے والے سیلاب سے متاثر ہوئے تھے۔ (الحمد للہ! کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں ہمارے ساتھی اس سیلاب سے بہت معمولی طور پر متاثر ہوئے تھے) اس طرح مختصر سے وقت میں ان علاقوں کے ساتھیوں سے ملاقات کے علاوہ بعض مقامات پر ہلکے پھلکے پروگرام کرنے کا موقع بھی نکل آیا۔ کراچی سے روانہ ہونے والا چھ سات افراد پر مشتمل دوسرا قافلہ بذریعہ ریلوے ۱۳ اکتوبر کو روانہ ہو کر ۱۴ اکتوبر کو براستہ ملتان ظہر کے بعد ڈیرہ غازی خاں پہنچا' جہاں سے دورے کے باقاعدہ پروگرام کا آغاز ہونا تھا۔ کراچی کے علاوہ پنجاب کے دوسرے علاقوں سے بھی کافی ساتھی پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ بعد صلوٰۃ العصر مسجد توحید ڈیرہ غازی خاں میں باہمی تعارف کی نشست ہوئی۔ جس کے دوران شرکاء مجلس نے باری باری اپنا تعارف کرایا۔ بعد صلوٰۃ المغرب کھوکھراپار کراچی کے ساتھی عبدالغفار صاحب نے سورہ البقرہ کے تیسرے رکوع کی آیات کے حوالہ سے مفصل خطاب کیا اور بندگی رب کی بنیادی دعوت کے ساتھ ساتھ عقائد میں در آنے والی خرابی اور بالخصوص موجودہ فرقوں کے عقائد کا تجزیہ پیش کیا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد سوال وجواب کی طویل نشست ہوئی جس میں امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیئے۔

۱۵ اکتوبر بروز جمعرات صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے درس حدیث دیا اور اشراق و ناشتے کے بعد تقریباً ساڑھے آٹھ بجے

کوڈی (بلوچستان) کے لئے روانگی ہوئی۔ جہاں تین روزہ پروگرام طے تھا۔

ڈیرہ غازی خاں کے عقب میں واقع پیچ دار پہاڑی راستے سے گذرتے ہوئے ساڑھے بارہ بجے کے قریب رکنی (جو کہ اب بلوچستان کے ضلع بارکھان کا صدر مقام ہوگیا ہے) پہنچے جہاں کوڈی کے چند ساتھی ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ رکنی سے پندرہ بیس منٹ میں بستی کوڈی پہنچ گئے۔ کوڈی کی مسجد توحید میں مقامی ساتھیوں کے علاوہ کبیر والہ اور گگڑ ہٹہ (خانیوال) کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جو پہلے سے آئے ہوئے تھے۔ یاد رہے کوڈی' رکنی سے نزدیک پہاڑوں کے درمیان واقع ایک خوبصورت بستی ہے جہاں بہت سے ساتھی رہتے ہیں اور یہ بلوچستان میں ہمارا بڑا مرکز ہے اس بستی میں مختلف خاندانوں پر مشتمل چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں۔ ان میں مقامی ساتھیوں کے سیب کے چھوٹے چھوٹے باغات' کنویں اور کھیت وغیرہ ہیں صلوٰۃ الجمعہ کے لئے یہاں کے سب ساتھی مرکزی مسجد میں جمع ہوتے ہیں جبکہ اس کے علاوہ چھوٹی آبادیوں میں اور مساجد بھی ہیں جن میں قریبی ساتھی صلوٰۃ پنجگانہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

صلوٰۃ الظہر مسجد توحید کوڈی میں ادا کرنے کے بعد ساتھیوں نے کھانا کھایا۔ شام تک پنجاب سے کچھ اور ساتھی اور اراکین شوریٰ پنجاب بھی کوڈی پہنچ گئے۔ صلوٰۃ العصر کے بعد کراچی کے محمد اعظم صاحب نے نظم وضبط اور سمع وطاعۃ کے موضوع پر تقریر کی۔ بعد صلوٰۃ المغرب گگڑ ہٹہ کے ساتھی ماسٹر محمد افضل صاحب نے باہمی تعلقات اور اجتماعات کے اندر شرکت کے آداب اور ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کے سلسلہ میں خطاب کیا۔

۱۶ اکتوبر بروز جمعہ صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے درس حدیث دیا۔ اشراق و ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ساتھیوں نے کچھ وقت آرام اور پھر جمعہ کے لئے تیاری میں گزارا۔ ۱۱ بجے دن کراچی کے عبد الغفار صاحب نے سورۃ المومنون کے پانچویں رکوع کی آیات کے حوالے سے بیان کیا۔ صلوٰۃ الجمعہ سے قبل پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے خطاب کیا اور صلوٰۃ الجمعہ کے بعد امیر تنظیم کے مختصر خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔

صلوٰۃ العصر کے بعد پنجاب اور عشاء و طعام کے بعد بلوچستان کی شوریٰ ہوئی اس دوران باقی ساتھی باہمی تعارف اور تبادلہ خیال میں مصروف رہے۔

۱۷ اکتوبر بروز ہفتہ کو صبح ۸ بجے ساتھی کافی تعداد میں تین گاڑیوں کے ذریعہ لورالائی میں دعوت الی اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ دوران سفر لورالائی کے راستہ میں آنے والے چھوٹے چھوٹے مقامات پر دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ دن کے ساڑھے بارہ بجے لورالائی شہر پہنچے جہاں پورے شہر میں دعوتی لٹریچر کی تقسیم کی علاوہ دو مقامات پر دعوت الی اللہ کی تقاریر بھی ہوئیں۔ لورالائی سے واپسی پر رات بارکھان میں مقامی ساتھی عبد القدوس صاحب کے ہاں پروگرام ہوا۔ ۱۸ اکتوبر بروز اتوار صلوٰۃ الفجر کے بعد عبد الغفار صاحب نے درس قرآن دیا۔ اور پھر ناشتے سے فارغ ہو کر واپس میں بارکھان شہر پہنچے جہاں مدرسہ عربیہ شمس العلوم میں (جس کے مہتمم ہمارے مقامی ساتھی نور الدین صاحب کے فرزند تاج محمد صاحب ہیں) امیر تنظیم کا مختصر بیان ہوا جس کے بعد براستہ کوڈی' رکنی اور ڈیرہ غازی خان' تھانہ دراہمہ کے لئے روانگی ہوئی جہاں رات کا پروگرام طے تھا۔ مغرب بعد تھانہ دراہمہ پہنچے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد مسجد توحید تھانہ دراہمہ میں کراچی کے عبد الغفار صاحب کی تقریر ہوئی۔ بعد ازاں امیر تنظیم نے سوالوں جواب دیئے۔ ۱۹ اکتوبر صلوٰۃ الفجر و ناشتہ کے بعد ابو ہشام صاحب کے ہمراہ ان کے گاؤں ملازئی' واقع تحصیل ٹانک ضلع ڈیرہ اسماعیل خان' روانہ ہوئے۔ ملازئی میں ہماری آمد سے قبل ہی صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب' خویشگی کے چند ساتھیوں سمیت پہنچ چکے تھے۔ ملازئی میں صلوٰۃ الظہر ادا کرنے

کے بعد' ابو ہشام صاحب کے گھر پر ساتھیوں نے کھانا کھایا۔ بعد ازاں مقامی مسجد بلال میں عمر خطاب صاحب نے پشتو میں خطاب کیا جس کو سننے کے لئے گاؤں کے کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ تقریر کے بعد ان کو دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ ملازئی میں مختصر قیام و پروگرام کے بعد پانچ بجے شام دریا خاں بھکر کے لئے روانہ ہوئے اور ساڑھے سات بجے شب' دریا خاں کے ناظم عبدالخالق صاحب کے ہاں پہنچے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد کراچی کے محمد اعظم صاحب نے سورۃ البقرہ کے سولویں رکوع کی ابتدائی آیات کے حوالے سے خطاب کیا۔ بعد ازاں امیر تنظیم کے ساتھ سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی جس میں انہوں نے شرکاء اجتماع کے سوالوں کے جواب دیئے۔

۲۰ اکتوبر بروز پیر صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے درس حدیث دیا اور اشراق ناشتے سے فارغ ہو کر لیہ کے لئے روانہ ہوئے۔ تقریباً دس بجے رانا عمرو راز صاحب کے گھر (واقع شاہ پور تحصیل کروڑ) پہنچے شاہ پور بازار میں دعوت الی اللہ کا پروگرام ہوا جس کے دوران کچھ مقامی لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور مخالفانہ آوازے بھی کسے۔ بعد ازاں عمرو راز صاحب کے گھر پر عبدالغفار صاحب کا بیان ہوا جس کے اختتام پر امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دئے۔ عمرو راز صاحب کے گھر پر کھانے اور صلوٰۃ العصر کی ادائیگی کے بعد ترنڈہ کے لئے روانگی ہوئی اور اسی روز ساڑھے سات بجے شب ترنڈہ پہنچے جہاں صلوٰۃ العشاء کے بعد عبدالغفار صاحب نے سورۃ النحل کی آیات ۵۹ تا ۶۳ کے حوالے سے تقریر کی اور امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دئے ۲۱ اکتوبر صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے درس حدیث دیا' اشراق و ناشتے کے بعد ترنڈہ کی مقامی شوریٰ کے ساتھ امیر تنظیم کی نشست ہوئی۔ اور پھر تقریباً ساڑھے نو بجے صبح امیر تنظیم' حکیم محمد رمضان صاحب چند مقامی اور کراچی کے دو تین ساتھیوں کے ہمراہ خانپور کے لئے روانہ ہوئے جبکہ کراچی کے باقی ساتھی اس سے پہلے ہی واپس کراچی روانہ ہو چکے تھے۔

خانپور ریلوے اسٹیشن کے عقب میں واقع ریلوے کالونی کے ایک مکان میں تحریک کے ایک پرانے ساتھی غلام دین صاحب نے پروگرام کا اہتمام کیا تھا۔ اس طرح خانپور حلقے کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اس پروگرام میں غلام دین صاحب کے فرزند محمد یوسف صاحب (جو کہ جامعہ فاروقیہ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں) اور کچھ دیگر افراد شریک ہوئے' جن سے پہلے واسطے اور وسیلے کے موضوع پر بات چیت ہوئی۔ صلوٰۃ الظہر کے بعد امیر تنظیم نے سورۃ یونس کے آخری رکوع پر مشتمل درس دیا۔

کھانے کے بعد امیر تنظیم اور حکیم محمد رمضان صاحب نے حاضرین کے مختلف سوالوں کے جواب دیئے۔ خانپور میں صلوٰۃ العصر ادا کرنے کے بعد لاہور کے لئے روانگی ہوئی۔ رات توحید نگر بیروالہ بھی گزارنے کے بعد اگلے روز شام کو لاہور پہنچے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد مسجد توحید بلال گنج (لاہور) میں امیر تنظیم نے مختصر خطاب کیا۔ بعد ازاں جادو وغیرہ کے مسائل پر سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی جس میں ساتھیوں نے اپنے اطمینان کی حد تک سوالات کے ذریعے اس موضوع پر وضاحت حاصل کی۔

رات لاہور میں قیام کے بعد ۲۴ اکتوبر بروز جمع صبح ناشتے کے بعد قصور کے لئے روانہ ہوئے۔ قصور میں مقامی ساتھی صفدر بیگ صاحب کے چھوٹے بھائی کے نکاح میں شرکت کے علاوہ فتح پور کی مسجد (اہلحدیث) میں صلوٰۃ الجمعہ سے قبل امیر تنظیم نے خطاب کیا (جہاں قصور کے علاوہ شیخ پورہ تو سے بھی کافی ساتھی آئے ہوئے تھے) اور صلوٰۃ الجمعہ کی امامت بھی کی۔ ازاں بعد شیخ پورہ تو کے لئے روانہ ہوئے۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد مسجد توحید شیخ پورہ تو میں کراچی کے محمد اعظم صاحب نے رد طاغوت کے موضوع پر تقریر کی اور صلوٰۃ العشاء کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دئے۔ پھر مقامی شوریٰ میں شرکت کی۔ اگلے روز ۲۴ اکتوبر کو امیر

تنظیم نے شیخ پورہ نو سے ملحقہ بستیوں حاکو والہ، فتی والہ، کمال پورہ، شیخ پورہ کنہ اور مہالم کا دورہ کیا اور سیلاب زدہ ساتھیوں سے ملاقات کر کے انکی خیریت دریافت کی بعد ازاں ضلع قصور کے ناظم ماسٹر طفیل بیگ صاحب مقامی ناظمین ماسٹر برکت بیگ صاحب اور ماسٹر احمد علی صاحب اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ واپس قصور روانگی ہوئی جہاں صفدر بیگ صاحب کے بھائی کے دعوت ولیمہ میں شرکت کی۔ دعوت ولیمہ میں شرکت کے بعد تین بجے دن کو ہیڈ سلیمانکی کے لئے روانہ ہوئے۔ ہیڈ سلیمانکی میں رات مقامی ناظم حکیم طیب الرحمٰن صاحب کے ہاں قیام رہا۔ وہیں پر مقامی ساتھیوں سے ملاقات کے علاوہ صلوٰۃ العشاء کے بعد حکیم محمد رمضان صاحب نے مختصر خطاب کیا اور پھر سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔

۲۵ اکتوبر کو صبح ساتھ بجے ہیڈ سلیمانکی سے روانگی ہوئی اور براستہ ترنڈہ مغرب کے قریب اوباؤڑو (سندھ) پہنچے جہاں مختصر قیام اور مقامی ساتھیوں سے ملاقات کے بعد ڈہرکی پہنچے۔ وہاں مقامی ساتھی محمد صدیق صاحب کے ساتھ ان کے مدرسے سے ملحقہ رہائش پر شب کو قیام کیا اور ۲۶ اکتوبر کی صبح صلوٰۃ الفجر کے بعد مختصر پروگرام اور ناشتے کے بعد کراچی روانگی ہوئی۔

ایک روزہ تربیتی اجتماع برائے صوبہ سندھ بمقام کندھکوٹ (ضلع جیکب آباد)

کندھ کوٹ کے اس تربیتی اجتماع میں شرکت کے لئے کراچی کے علاوہ اوباؤڑو، ڈہرکی، سکھر اور بدین وغیرہ سے ساتھی تشریف لائے۔ کراچی سے ۱۹ نومبر کی شب نو دس ساتھی امیر تنظیم کی معیت میں بذریعہ سکھر ایکسپریس روانہ ہوئے جو ۲۰ نومبر بروز جمعہ صبح سکھر، وہاں سے بذریعہ ویگن کندھ کوٹ پہنچے۔ پروگرام کا آغاز (قدرے تاخیر سے) ۱۱ بجے کراچی کے محمد اعظم صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ جس میں انہوں نے اجتماع کی غرض و غایت اور دینی ذمہ داریوں کے حوالے سے تعلیم و تربیت کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس سے قبل صوبہ سندھ کے امیر عبدالغفور صاحب نے شرکاء اجتماع کو خوش آمدید کہتے ہوئے اندرون سندھ دعوتی سرگرمیوں کا مختصر جائزہ پیش کر کے اس طرح کے اجتماعات کے انعقاد اور ساتھیوں کی ان میں شرکت کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا۔ اس کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس کے دوران ساتھیوں نے اپنا اپنا تعارف اور اس اجتماعیت کے ساتھ اپنی وابستگی کی مدت بیان کی۔

خطبہ اور صلوٰۃ الجمعہ کی امامت کا فریضہ امیر تنظیم نے ادا کیا۔ صلوٰۃ الجمعہ و طعام کے بعد کراچی کے سعید احمد صاحب نے رد طاغوت کے موضوع پر خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے طاغوت کے کفر کو ایمان کی شرط قرار دیتے ہوئے قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں طاغوت کی تعریف اور رد طاغوت کے سلسلے میں وضاحت پیش کی۔

سعید احمد صاحب کی تقریر کے بعد کراچی کی یعقوب علی صاحب نے فتنہ انکار حدیث کے موضوع پر خطاب کیا۔ سنت رسولؐ اور حدیث کی اہمیت، اسکا مقام اور حجیت حدیث کو واضح کیا۔ بعد صلوٰۃ المغرب امیر تنظیم نے کتاب الصلوٰۃ میں سے تسویۃ الصفوف کے سلسلے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرایا اور صلوٰۃ میں صف بندی اور صفوں کو سیدھا رکھنے کی اہمیت کو کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا۔

صلوٰۃ العشاء و طعام کے بعد کراچی ک محمد گل صاحب نے سورۃ الشعراء کے پانچویں رکوع کی آیات کے حوالے سے ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت، اللہ کی بندگی میں یکسوئی، شرک سے بیزاری اور اپنے باپ اور قوم کے سامنے کھلی دعوت پر مبنی تفصیل کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ جس کو رات گئے تک بڑی توجہ اور سکون کے ساتھ سنا گیا۔ بعد ازاں امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں

کے جواب دیئے اور پھر مقامی شوریٰ میں شرکت بھی کی۔ ۲۱ نومبر ہفتہ صلوٰۃ الفجر کے بعد مختصر درس ہوا اور پھر ناشتے کے بعد شرکاء اجتماع واپس روانہ ہوئے۔

دورہ سرگودھا، جوہر آباد اور میانوالی

کراچی سے سولہ افراد پر مشتمل ایک مختصر قافلہ، امیر تنظیم کے ہمراہ ۲۲ دسمبر ۹۲ء کو بذریعہ سپر ایکسپریس سرگودھا روانہ ہوا، جو ۲۳ دسمبر کو سات بجے رات مسجد توحید ڈیرہ جدید پہنچا۔ جہاں مسافر ساتھیوں نے صلوٰۃ المغرب کی ادائیگی کے بعد مقامی ساتھیوں کے ساتھ صلوٰۃ العشاء ادا کی۔ پھر طعام کے بعد اور سونے سے پہلے حاضرین مجلس کی درمیان مختصر تعارفی نشست اور سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔

۲۴ دسمبر بروز جمعرات، صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم محمد حنیف صاحب نے درس حدیث دیا۔ اشراق و ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی کیونکہ اس وقت تک آس پاس اور پنجاب کے بعض دوسرے علاقوں سے آنے والے ساتھیوں کی وجہ سے حاضرین کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ بعد ازاں تجوید القرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ "ادعوا الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" کے موضوع پر کراچی کے ساتھی محمد اعظم خان کی تقریر ہوئی۔ اس طرح پونے گیارہ بجے کے قریب ساتھیوں کی خاصی تعداد امیر تنظیم کی معیت میں دعوت الی اللہ کے لئے بس، ویگن وغیرہ کے ذریعہ فروکہ روانہ ہوئی۔ فروکہ ڈیرہ جدید سے قریب ہی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں بزرگ (مگر جواں ہمت) ساتھی ڈاکٹر محمد صدیق صاحب کی رہائش اور مطب بھی ہے۔ تقریباً سوا گیارہ بجے فروکہ میں دعوت الی اللہ کے لئے جانے والے ساتھیوں کا یہ قافلہ ڈاکٹر صدیق صاحب کے مطب پر پہنچا جو فروکہ بازار کے وسط میں واقع ہے۔ امیر تنظیم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ اپنے معاملات سے فارغ ہو کر آئیں جب تک ہم آغاز کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صدیق صاحب جیسے جواں ہمت شخص کو یہ کیسے گوارا ہوتا۔ فوراً بولے امیر صاحب! میں آپ کے ساتھ ہی نہیں آگے چلوں گا اور اپنے مخصوص لہجے میں کہا "پہلا وٹا میں جھلیساں" یعنی اس راہ میں پہلا پتھر میں برداشت کروں گا۔ الحمد للہ! فروکہ بازار میں دعوت الی اللہ کی تین تقاریر ہوئیں جن کے دوران خاصی تعداد میں دعوتی لٹریچر بھی تقسیم ہوا۔ دو مقامات پر مخالفت و مزاحمت بھی ہوئی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر صدیق صاحب کے لئے مقامی پولیس چوکی سے بلاوا بھی آ گیا۔ چنانچہ دعوت الی اللہ کے اختتام پر سارے ساتھی ڈاکٹر صدیق صاحب کے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچے جہاں امیر تنظیم اور ڈاکٹر صدیق صاحب نے مقامی پولیس انتظامیہ کے سامنے اپنی دعوت کے تعارف کے علاوہ دعوتی لٹریچر بھی پیش کیا جس کے جواب میں وہ اچھی طرح پیش آئے۔ بعد ازاں ڈاکٹر صدیق صاحب کو ان کے مطب کی طرف روانہ کر کے امیر تنظیم دیگر ساتھیوں سمیت ڈیرہ جدید واپس آ گئے۔

ڈیرہ جدید میں صلوٰۃ الظہر و طعام سے فارغ ہونے کے بعد ساتھی امیر تنظیم کے ساتھ قریب ہی واقع ڈیرہ قدیم کی مسجد توحید کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں صلوٰۃ العصر ادا کی گئی۔ اس کے بعد حکیم محمد رمضان صاحب امیر صوبہ پنجاب نے مختصر خطاب کیا۔ امیر تنظیم اور ساتھیوں نے مسجد میں ماسٹر عبدالعزیز صاحب ناظم ضلع سرگودھا کے والد محترم (جو کہ عالم دین بھی ہیں) کی لائبریری کو بھی دیکھا۔

ڈیرہ قدیم کے مختصر پروگرام کے بعد ساتھی واپس ڈیرہ جدید آ گئے۔ جہاں صلوٰۃ المغرب کے بعد امیر تنظیم کی سرکردگی میں مطالعہ حدیث کا پروگرام ہوا اور پھر صلوٰۃ العشاء اور طعام کے بعد کراچی کے ساتھی بخت زادہ صاحب نے سورۃ الشوریٰ کے دوسرے

رکوع کی آیات پر مشتمل موثر درس دیا اور آخر میں سوال وجواب کی نشست پر دن کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

اگلے روز صلوٰۃ الفجر کے بعد حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ المنافقون کی آخری آیات پر مشتمل درس قرآن دیا اور قرآن و حدیث کے حوالوں سے انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کو اجاگر کیا پھر اشراق و ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد جوہر آباد کی طرف روانگی ہوئی۔ ساڑھے دس بجے مسجد توحید جوہر آباد پہنچے۔ مسجد توحید جوہر آباد میں اطراف سے آنے والے کافی ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ جوہر آباد میں بھی ہلکا پھلکا تربیتی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ صلوٰۃ الجمعہ سے قبل باہمی تعارف اور تجوید کی تعلیم کے پروگرام ہوئے۔ خطاب و صلوٰۃ الجمعہ و طعام کے بعد سوال وجواب کی نشست کے علاوہ دعوت الی اللہ کی طرز پر تقاریر کی مشق کا پروگرام بھی ہوا جس میں بہت سے نوجوان ساتھیوں نے مختصر تقاریر کی صورت میں حصہ لیا۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد مطالعہ حدیث ہوا پھر صلوٰۃ العشاء اور طعام کے بعد بخت زادہ صاحب نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع پر مشتمل آیات کے حوالے سے خطاب کیا بعد ازاں مقامی شوریٰ کے ساتھ امیر تنظیم کی نشست ہوئی۔

۲۶ دسمبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے درس حدیث دیا اور اشراق و ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد کندیاں روانہ ہوئے۔ ساڑھے گیارہ بجے دن کو کندیاں پہنچے۔ جہاں سب سے پہلے باہمی تعارف کی نشست ہوئی پھر صلوٰۃ الظہر اور طعام سے فارغ ہونے کے بعد ذرا فاصلے پر واقع ایک مقام پپلاں کی طرف روانگی ہوئی جہاں صلوٰۃ المغرب کے بعد شہر میں دو مقامات پر لوگوں کے سامنے دعوت الی اللہ پیش کی گئی اور دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد واپس کندیاں بر مکان ملک غلام رسول صاحب پہنچے جہاں صلوٰۃ العشاء و طعام کے بعد حکیم محمد رمضان صاحب نے خطاب کیا۔ اور پھر سوال جواب کی نشست ہوئی۔

۲۷ دسمبر کو صبح صلوٰۃ الفجر کے بعد محمد اعظم خان نے درس قرآن دیا اور اشراق و ناشتے کے بعد اکثر ساتھی واپس اپنے اپنے مقامات کی طرف روانہ ہو گئے۔ امیر تنظیم کی مقامی شوریٰ کے ساتھ مختصر نشست ہوئی اور ازاں بعد وہ حکیم محمد رمضان صاحب (امیر صوبہ پنجاب) اور کراچی کے دو تین ساتھیوں کے ہمراہ ساہیوال کی طرف روانہ ہوئے جہاں ۲۸ دسمبر کو پنجاب سطح پر دعوت الی اللہ اور تقسیم لٹریچر کا پروگرام طے تھا۔ رات فیصل آباد میں مستری محمد رفیق صاحب کے ہاں قیام کے بعد ۲۸ دسمبر صبح ۸ بجے ساہیوال پہنچے۔ ۹ تا ڈیڑھ بجے دن ساہیوال شہر میں مختلف مقامات پر دعوت الی اللہ کا پروگرام اور دعوتی لٹریچر تقسیم ہوا۔ اس کے بعد بلدیہ پارک ساہیوال میں ساتھیوں نے صلوٰۃ الظہر ادا کی اور کھانا کھایا اور پھر اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ امیر تنظیم نے وہیں پنجاب شوریٰ میں شرکت کی اور پھر اسی رات براستہ ترنڈہ کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔

اجتماع عام (صوبہ پنجاب)

یہ اجتماع ۵-۶ اپریل ۲۰۰۰ء کو مسجد توحید 'توحید نگر' کبیر والہ ضلع خانیوال میں منعقد ہوا جس میں پورے پنجاب کے علاوہ کراچی، اندرون سندھ، سرحد، بلوچستان، اور آزاد کشمیر سے بھی چیدہ چیدہ ساتھیوں نے شرکت کی۔ یہ تربیتی نوعیت کا اجتماع تھا جو تعلیم و تعلم کے مختصر پروگراموں کے علاوہ مختلف موضوعاتی تقاریر پر مشتمل تھا۔ اجتماع کا باقاعدہ آغاز ۵ اپریل صبح ساڑھے آٹھ بجے امیر تنظیم کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے پروگرام کے سر عنوان 'آیت قرآنی **والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض (التوبہ:۷۱)** کی روشنی میں اجتماع کی غرض و غایت بیان فرمائی اور شرکاء اجتماع پر دینی ذمہ داریوں کے حوالے سے تعلیم و تربیت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اس راہ میں اپنے اوقات اور صلاحیتیں صرف کرنے کا احساس دلایا اور ایسے مواقع سے زیادہ توجہ کے ساتھ استفادہ

کرتے ہوئے اس کام کو اپنی اپنی جگہ مزید آگے بڑھانے کی تلقین فرمائی۔

کراچی کے ساتھی خالد عزیز نے شرکاء اجتماع کو دونوں روز تجوید کے اصول سکھائے اور ان کے مطابق قرات القرآن کی مشق بھی کرائی۔ یاد رہے کہ کچھ عرصہ سے ہمارے پروگراموں میں تجوید کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح تھوڑا تھوڑا کرکے قرآن کو صحیح انداز سے پڑھنے کے لئے بنیادی اصول ساتھیوں کے سامنے دہرائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان سے روشناس ہوتے چلے جائیں۔

فہم قرآن کے سلسلہ میں سورہ حٰم السجدہ کی آیات **ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا......** کے حوالے سے ۱۳ تقاریر کی صورت میں ساتھیوں نے اپنا اپنا حاصل مطالعہ بیان کیا اور پھر امیر تنظیم نے جملہ تقریر کا محاکمہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات بیان کیے اور آیات کے نفس مضمون سے تقابل کرکے بعض اصلاح طلب نکات اور اصولی باتیں بیان فرمائیں جو مطالعہ قرآن اور اس کے بیان میں ملحوظ خاطر رہنی چاہئیں۔

اسی طرح فہم حدیث کے ضمن میں امیر تنظیم اور یعقوب علی صاحب نے کتاب الوحی کے حوالے سے حدیث کے بارے میں بعض بنیادی چیزیں بتائیں اور کتاب الایمان کی کچھ احادیث پر مشتمل مطالعہ حدیث کرایا۔

موضوعاتی تقاریر کے سلسلہ میں کراچی کے محمد اعظم خان نے "مومنوں کے باہمی تعلقات" کیروالہ کے ماسٹر سرفراز صاحب نے "انبیاءؑ کی دعوت" اور کراچی کے محمدی گل صاحب نے "فرقہ پرستی کی تباہ کاریاں" کے عنوانات پر ۵ اپریل کے پروگرام میں تقاریر کیں اور قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں درج بالا عنوانات کے نفس مضمون کو واضح کرتے ہوئے ان سے جو تقاضا ابھرتا ہے اسکو پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اسی طرح کراچی کے ساتھیوں سعید احمد صاحب، بخت زادہ صاحب اور عبدالغفار صاحب نے علی الترتیب "رد طاغوت" "علم غیب" اور "تصوف کی ہلاکت خیزی" کے عنوانات پر اور صوبہ سرحد کے امیر ڈاکٹر عمر خطاب صاحب نے "مومنوں کے شب و روز" کے موضوع پر ۶ اپریل کے پروگرام میں معلومات افزا اور سبق آموز تقاریر کیں جن کو بڑی توجہ سے سنا گیا۔

اس دو روزہ اجتماع کا اختتام ۶ اپریل کو عصر سے قبل امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر ہوا۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم یاد دلایا کہ اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔ اللہ نے ایمان کی نعمت عطا فرمائی ہے، وہی اسکی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے، اس کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان کو پورا کرنے کی توفیق دے، جس مشن کے لئے آگے بڑھایا ہے اس کے لئے مالک علم و داناؤ کی صفات سے متصف قلب اور حقیقت کا تجسس اور ادراک کرنے والی آنکھ عطا فرمائے (آمین)۔ جس چیز کو انسان قبول کرتا ہے اس سے دلی تعلق و وابستگی ہونی چاہیئے۔ اکیلے میں اللہ سے دعائیں ہوں کہ اسکی بارگاہ میں اسی کو شرف قبولیت ملتا ہے جو حدیث رسولؐ کا اس طرح مصداق بنے کہ

ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ

تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اسکی آنکھیں آنسوؤں کی شکل میں برس پڑیں۔

اس نعمت کو پالینے کے بعد اہل ایمان کے طور طریقے بدل جایا کرتے ہیں۔ قرآن اسکی گواہی دیتا ہے، ان کے شب و روز دنیا داروں جیسے نہیں بلکہ عباد الرحمان کی طرز پر گزرتے ہیں جن کے لئے فرمایا گیا **والذین یبیتون لربھم سجداً و قیاما**۔ اللہ کے بندوں کا یہ انداز جیسا کہ سورۃ السجدہ میں بیان ہوا ہے۔ **تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً و طمعاً و مما رزقنٰھم ینفقون**۔

ان کے پہلو اپنے بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف وامید کے ساتھ پکارتے ہیں' اس سے دعائیں کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے (محنت سے کمائے ہوئے) مال میں سے اسکی راہ میں خوش دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ انہی کے لئے فرمایا گیا کہ ان کو نوازنے اور انکی آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے اللہ نے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے' کوئی نہیں جانتا۔ اٹھو ہو کم کی پکار پر اٹھنا کہنے والوں کا یہی انداز ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ اجتماعات ہوتے ہیں' یہ احساس پیدا کرنے کیلئے۔ اب چلتے وقت یہ سوچنا چاہئے کہ کیا حاصل کیا ہے اور کیا کھویا ہے' بھائیوں کی مخلصانہ خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اپنا احتساب کرنا ہے کہ کہاں تک اس سے استفادہ کیا ہے۔ اللہ کی راہ میں بڑھنے والوں کا یہ انداز ہونا چاہیے۔ پروردگار سے توفیق مانگئے کہ ان اجتماعات میں قیام ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہو ۔ شیطان کی چالوں سے محفوظ ہوں! کتاب اللہ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ ہو۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے۔ یہ تو محض احساس دلانے کے لئے ہے۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ امامت' خطابت اور دعوت الی اللہ کے لئے تیاری کرنا ہے۔ کل مزید آزمائشوں سے سابقہ پیش آسکتا ہے' نفس کے خلاف جہاد کرکے خود کو سمع وطاعۃ کا پابند بنانا ہے۔ اجتماعیت کے ساتھ' جسکی تعلیم و تربیت پورا انتظام بندگی دیتا ہے۔ کل کی کمی و کوتاہی کی آج اصلاح کریں۔ اللہ کی کتاب تو مومنین کو جھنجوڑتی ہے کہ مومن کیوں نہیں گھروں سے نکلتے اور سیکھنے سکھانے کا کام کرتے! تاکہ خلاء پیدا نہ ہو۔ کتاب وسنت کی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ ہونے کی کوششیں ہوں۔ جو امراء و ناظمین ہیں ان کو زیادہ پابند ہونا چاہئے۔ اپنے اندر قوت برداشت اور کتاب وسنت کی روشنی میں بہتر صفات پیدا کریں۔ حلم واناۃ کے پیکر بنیں۔ خود نمائی' خود ستائی اور خطابت کی داد پانے کی آرزو نہ ہو بلکہ خلوص اور للہیت ہو۔ اچھے اخلاق اور سیرت و کردار کی تعمیر ہو۔ اللہ سے توفیق مانگتے ہوئے' شیطان کے تمام وسوسوں سے پناہ مانگتے ہوئے' اس کی راہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس اجتماعیت کی حفاظت اللہ فرمائے گا۔ بشرطیکہ اسکو لے کر چلنے والے خلوص رکھنے والے ہوں' نظم وضبط' باہمی تعلقات میں ایثار و قربانی' غرض ہر معاملہ میں اجتماعیت کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ اس شمع کی روشنی کو بجھنے نہ دیجئے اسکو بجھانے کی کوششوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کیجئے۔ پروردگار ہم سب کو ہر طرح کی کوتاہیوں سے محفوظ رکھے اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)۔

امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کے بعد شرکاء اجتماع اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس روانہ ہوئے۔ اس اجتماع کے دوران پاکستان اور پنجاب شوریٰ کے اجلاس بھی ہوئے۔

دورہ سندھ

کراچی سے چند ساتھی امیر تنظیم کی معیت میں ۲۸ اپریل ۹۳ کو رات سکھر ایکسپریس سے روانہ ہو کر ۲۹ اپریل کی صبح سکھر پہنچے۔ وہاں سے بذریعہ ویگن براستہ شکارپور و کندھ کوٹ ۱۱ بجے میرپور برڑو ضلع جیکب آباد پہنچے۔ کندھ کوٹ اور مدیجی کے ساتھی بھی مدرسہ مظہرالعلوم میں پہنچ گئے تھے۔ جس کے مہتمم عبدالقادر چنہ صاحب ہیں۔ چنہ صاحب نے اپریل کے اوائل میں کندھ کوٹ میں امیر تنظیم سے ملاقات کی تھی اور ہماری دعوت سے اتفاق کا اظہار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ ایک بار کراچی بھی تشریف لائے تھے اور کھماڑی کے مرکزی پروگرام میں شرکت کی تھی۔ چنانچہ انکی اور کندھ کوٹ کے ساتھیوں کی خواہش کے مطابق یہ پروگرام رکھا گیا تھا۔

صلوٰۃ الظہر سے قبل محمد اعظم خان نے سورۃ البقرہ کے تیسرے رکوع کی ابتدائی دو آیات "یاایها الناس اعبدو ربکم الذی..... " کے حوالے سے خطاب کیا جن میں اللہ کی بندگی اور شرک سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر صلوٰۃ الظہر اور طعام سے فارغ ہونے کے بعد باہمی تعارف اور سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ شرکاء اجتماع نے فرداً فرداً اپنا تعارف کرایا اور بعد ازاں امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیئے۔ شرکاء اجتماع میں مدرسے کے طالب علم اور کچھ مقامی لوگ بھی شامل تھے۔

میرپور بررڑو میں صلوٰۃ العصر (قدرے مقدم کر کے) ادا کرنے کے بعد مدیجی (ضلع شکارپور) کے لئے روانہ ہوئے اور مغرب سے قدرے پہلے عبدالحمید جتوئی صاحب کے ہاں پہنچے۔ جہاں انہوں نے اپنے مہمان خانے میں اس اجتماع کا انتظام کر رکھا تھا۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد کراچی کے بخت زادہ صاحب نے "انبیاء علیہم السلام کی دعوت" کے موضوع پر سیر حاصل خطاب کیا۔ صلوٰۃ العشاء و طعام کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں قریب کی مساجد سے ایک دو علماء بھی شریک ہوئے اور انہوں نے بہت سے سوالات کئے۔ امیر تنظیم نے جملہ سوالات کے جواب دیے اور بالخصوص ان عالموں کے سامنے موجودہ معروف فرقوں اور مسالک کے عقائد و نظریات کی خرابی کو واضح کیا اور بتایا کہ دیکھیے جن لوگوں کو اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرتے ہوئے "کتاب و سنت کی تعلیمات کو بے لاگ طریقے سے لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا اور اس راہ میں خلوص اور بے نفسی کا مظاہرہ کرنا تھا۔ وہ آج کس قدر شکم پرور اور نفس کے بندے بنے ہوئے ہیں اور کس طرح ان فرقوں او رمسالک کی حمایت و سرپرستی پر کمربستہ ہیں؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

۳۰ اپریل صبح صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے درس حدیث دیا۔ اشراق و ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی۔ اس کے بعد جمعہ کی تیاری (غسل و لباس کی تبدیلی) کے لئے وقفہ ہوا۔ ساڑھے گیارہ بجے تا ساڑھے بارہ بجے دن کراچی کے یعقوب علی صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت **و کذلک جعلنکم امۃ وسطا..... الخ** کے حوالے سے خطاب کیا اور امت مسلمہ کی ذمہ داری کو واضح کیا کہ بنی اسرائیل کی منصب شہادت حق سے معزولی کے بعد انکی جگہ اس امت وسط کی ذمہ داری ہے کہ قیامت تک شہادت حق کے فریضہ کو ادا کرتی رہے۔ شہادت حق کا منصب بڑی بھاری ذمہ داری ہے اور اس اعتبار سے پرخطر' مشکلات و پریشانیوں کا راستہ ہے لیکن اس سے مفر نہیں کہ رب کائنات کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری ہے اور اس کا احسان عظیم بھی کہ اس نے اقوام عالم پر فضیلت عطا فرمائی اور یہ عظیم ذمہ داری سونپی۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو آخرت کے طلبگار ہیں اور اللہ کی رضا و خوشنودی جنکا منتہیٰ و مقصود ہے۔ جن کے لئے قرآن بیان کرتا ہے **تلک الدار الاخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فسادا.....** (القصص ۸۳) اس راہ میں سب سے بڑا کام طاغوت کا رد ہے اور خالص اللہ کی بندگی کا علمبردار بن کر اٹھنا ہے' یہ ایک کھلی دعوت ہے جسے بے نفسی سے 'لومۃ لائم' سے بے پرواہ ہو کر دیتے رہنا ہے۔ یعقوب علی صاحب کی تقریر کے بعد طعام و صلوٰۃ الجمعہ کے لئے وقفہ ہوا۔ صلوٰۃ الجمعہ کے بعد صوبہ سندھ کے امیر عبدالغفور صاحب نے سندھی زبان میں اور امیر تنظیم نے اردو میں شرکاء اجتماع کو انبیاء ؑ کی مشترکہ دعوت کے حوالے سے انکی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ شرک جیسے ظلم عظیم کے خلاف آواز اٹھانے' اور اسکی سرپرستی کرنے والے احبار و رھبان' جنھوں نے دین کو کاروبار بنالیا ہے' کا قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ یہ ہر سچے دعویدار ایمان و اسلام کا فرض ہے۔ بعد ازاں صوبہ سندھ کی شوریٰ ہوئی اور صلوٰۃ العصر کے بعد شرکاء اجتماع اپنے اپنے گھروں اور علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

انما المومنون الذین اٰمنو باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون (الحجرات ۱۵)۔

اللہ کی کتاب سچے ایمانداروں کی تعریف بیان کرتی ہے کہ اپنے دعوئی ایمان کے اندر وہی لوگ سچے ہیں جو ایمان لانے کے بعد پھر کسی شک میں نہ پڑیں، کوئی شک وارتیاب ان کے دعوئی ایمان پر موثر نہ ہونے پائے اور وہ اللہ کی راہ میں مال وجان کی قربانی دے کر اپنے ایمان کے تقاضہ کو پورا کرنے والے ہوں۔ مذکورہ بالا آیت قرآنی کو جولائی ۹۳ میں منعقد ہونے والے کل پاکستان ناظمین کے تربیتی اجتماع کے پروگرام کا سرعنوان بنایا گیا۔ کہ کتاب اللہ کی آیات اہل ایمان کو جادہ مستقیم پر صبر واستقامت کے ساتھ گامزن رہنے کے لئے بڑی معاونت اور رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا اجتماع ۱۲ تا ۱۴ جولائی ۹۳ کو مسجد توحید، رفاہ عام سوسائٹی کراچی میں منعقد ہوا۔ حسب سابق اس دفعہ بھی طلباء کا سالانہ اجتماع اس سے ایک روز قبل یعنی ۱۱ جولائی کو خالد محمود بخاری کی سرکردگی میں اسی مسجد میں ہوا۔ جسکا آغاز صبح ساڑھے سات بجے خالد محمود بخاری کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ اس کے بعد کیپٹن ارشد صاحب نے "مکہ میں تحریک اسلامی کے ادوار" کے موضوع پر تقریر کی اور پھر ساتھ ساتھ محمد اعظم صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیت "**سارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم......**" کے حوالے سے تقریر کی۔ اس کے بعد نوجوانوں نے رفاہ عام سوسائٹی کے علاقہ میں لوگوں کے سامنے دعوت الی اللہ پیش کی۔

طلباء کے اس پروگرام میں کتابچہ "نبی اور شہداء قبروں میں نہیں جنتوں میں زندہ ہیں" پر مشتمل تحریری امتحان بھی ہوا۔ جس میں اشتیاق انوار (ناظم آباد) سلمان عبداللہ (رفاہ عام) اور منور سلطان (لیاقت آباد) نے بالترتیب اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح چھوٹے بچوں کے درمیان دعوت الی اللہ کیطرز پر تقاریر کا مقابلہ ہوا جس میں زاہد جمال (رفاہ عام) اول رہے، علیم احسان (رفاہ عام) دوم اور راشد جمال (رفاہ عام) سوم رہے۔ بعد ازاں امیر تنظیم نے طلباء کے سوالات کے جواب دیے اور شام ۵ بجے یہ اجتماع خالد محمود بخاری ہی کے اختتامی کلمات پر ختم ہوا۔

ناظمین کے تربیتی اجتماع میں شرکت کے لئے آنے والے ساتھی ۱۱ جولائی کی رات تک مسجد توحید رفاہ عام سوسائٹی میں پہنچ گئے تھے۔ عنوانات کے اعتبار سے گذشتہ سال کے مقابلے میں اس دفعہ پروگرام میں درس وتدریس کا رنگ غالب تھا۔ ۱۲ جولائی صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم نے سورۃ آل عمران کی آیت "**وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم......**" کے حوالے سے درس قرآن وحدیث دیا۔ اجتماع کا باقاعدہ آغاز امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔

انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیات (۱۱۰ تا ۱۱۲) "**کنتم خیر امۃ اخرجت للناس......بما عصوا و کانوا یعتدون**" کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور حق وباطل کی کہ معرکہ آرائی کے تاریخی پس منظر کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے امت مسلمہ کے منصب اور اس لحاظ سے اہل ایمانی ذمہ داری کو واضح فرمایا کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں کو انگیز کرنے کے لئے تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے اجتماعات اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں تاکہ تعلیمات قرآن وحدیث سے روشناسی ہو، نظم وضبط اور سمع وطاعت کے جذبات پیدا ہوں انہوں نے شرکاء اجتماع کو مطلع کیا کہ اس دفعہ قرآن وحدیث کے مطالعہ اور درس وتدریس کے لئے زیادہ وقت مختص کیا گیا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اللہ

تعالیٰ ہمیں ایسے مواقع سے بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات کے بعد خالد عزیز صاحب (کراچی) نے تجوید کے اصول سمجھائے اور انکی روشنی میں آخری پارے کی سورتوں میں سے تلاوت کی مشق کرائی۔ یہ پروگرام ۱۳ جولائی کو بھی دہرایا گیا۔ مطالعہ حدیث کا پروگرام تقریباً تینوں روز جاری رہا۔ اس سلسلہ میں ضرار لطیف (لاہور) اور یعقوب علی (کراچی) نے اصول حدیث کے بارے میں بنیادی معلومات مثلاً "اقسام وحی" اقسام حدیث (باعتبار سند و متن) کتب حدیث اور انکی درجہ بندی' جرح و تعدیل' اسماء الرجال وغیرہ پر روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں فتنہ انکار حدیث کے بہت سے کمزور گوشوں کو بھی آشکارا کیا گیا جہاں انکی تضاد فکری اور بودے دلائل خود انہی کے قائم کردہ معیار کے مطابق مسترد ہو جاتے ہیں' مطالعہ حدیث ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی فتنہ انکار حدیث کا ابطال ہے۔ منکرین حدیث بہت سے مسائل کو بڑی چالاکی سے انکار حدیث رسول کے بارے میں شکوک شبہات پھیلاتے رہتے ہیں۔ مثلاً سحر' رفع عیسیٰ اور کذب ثلاثہ وغیرہ' چنانچہ ۱۳ جولائی کے پروگرام میں' اس سلسلہ میں ایک معلومات افزا مذاکرہ منعقد کیا گیا جس میں اولاً یعقوب علی صاحب (کراچی) نے حدیث کی حیثیت کے موضوع پر 'معتزلہ اور منکرین حدیث کے تاریخی جائزہ کے ساتھ' سیر حاصل گفتگو کی۔ اس کے بعد سعید احمد صاحب نے سحر کے موضوع پر قرآن و حدیث کا موقف بیان کیا اور اس کے ساتھ بخاری مسلم کی روایات کو پیش کر کے بعض اعتراضات کا جواب دیا۔ اسی طرح انیس الدین صاحب (کراچی) نے کذب ثلاثہ کے تعلق سے قرآن و حدیث کے بہت سے واقعات و دلائل پیش کر کے منکرین حدیث کے موقف کو رد کیا۔ علاوہ ازیں خالد بخاری صاحب (لاہور) نے منکرین حدیث کے بہت سے تضادات اور غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حدیث رسول کی حیثیت کو مزید واضح کیا۔

۱۳ جولائی کو ہونے والا قرآن و حدیث پر مبنی معلوماتی مقابلہ حسب سابق خاصا دلچسپ رہا جو فریقین کے مطالعہ اور دلچسپی کا مظہر تھا۔ معلوماتی مقابلے کے بعد سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے "عذاب قبر" کے موضوع پر تقریر کی جسکو دلچسپی اور توجہ کے ساتھ سنا گیا۔ بعد ازاں باہمی تعارف کی نشست ہوئی اور آخر میں ناظمین کی مشاورت ہوئی۔

۱۴ جولائی کو صلوٰۃ الفجر کی بعد حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ الاحزاب کی آیت "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ......" کے حوالے سے درس قرآن و حدیث دیا۔ اشراق و ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں عبدالغفار صاحب (کراچی) نے گذشتہ سال پڑھائے جانے والے اسباق کا اعادہ کرایا۔

عربی تعلیم کے بعد فہم القرآن کے سلسلہ میں سورۃ حم السجدہ کی آیات "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا......" پر مشتمل تقاریر کا پروگرام تھا جس کے دوران ۸ ساتھیوں نے مختصر وقت میں حاصل مطالعہ بیان کیا۔ ان تقاریر میں جج صاحبان (عمر خطاب و عبدالغفار) کے فیصلہ کے مطابق نعیم اختر صاحب (جام پور) اول' محمد افضل بٹ صاحب (آزاد کشمیر) دوم' کیپٹن ارشد و ضرار لطیف بٹ صاحب (لاہور) سوم رہے جب کہ شفیق صاحب (کراچی) اور محمد ظفر مسلم (کبیر والہ) نے چوتھی اور محمد رمضان صاحب (ملتان) اشرف عاصم صاحب (لیہ) نے پانچویں پوزیشن حاصل کی۔

۱۴ جولائی عصر و مغرب کے درمیان دعوت الی اللہ کا پروگرام بھی ہوا جس کے تحت دو علاقوں میں دعوتی تقاریر ہوئیں اور صلوٰۃ العشاء کے بعد محمد اعظم خان (کراچی) نے سورہ توبہ کی آیت "ان اللہ اشتریٰ من المومنین......" کے حوالے سے تقریر کی۔

اجتماع کے آخری دن (۱۵ جولائی) صلوٰۃ الفجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ الروم کی آیت "فاقم وجھک للدین القیم......" کے حوالے سے درس قرآن و حدیث دیا۔ اشراق و ناشتے کے بعد ماسٹر سرفراز صاحب (کبیر والہ) نے سورۃ المائدہ کی آیت "یایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ......" کے حوالے سے تقریر کی۔ بعد ازاں صوبائی امراء نے اپنے اپنے صوبوں

میں دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا۔ اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات و تجربات اور دیگر مسائل کو بیان کیا۔ اس طرح شرکاء اجتماع کو ایک دوسرے کے حالات و مسائل سے آگاہی ہوئی۔ امیر تنظیم نے اس جائزے پر اس طرح تبصرہ فرمایا: "صوبائی سطح پر حالات اطمینان بخش ہیں تاہم مومن اپنے کام سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ مزید کوشاں رہنے پر کمربستہ رہتا ہے' تحریک کے دو پہلو ہیں' دعوت و تربیت۔

ہمیں دونوں میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔" اس کے بعد گزشتہ عربی اسباق پر مشتمل تحریری امتحان ہوا جس میں نوجوان ساتھیوں نے خاص دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اس امتحان میں ظفر اقبال (سرگودھا) ۹۷ حاصل کرکے اول نمبر پر رہے' نعیم اختر (جام پور) امیر حسن و ماسٹر منظور احمد (کندھ کوٹ) اور محمد یونس (کیماڑی کراچی) ۹۵ نمبر لے کر دوم رہے' منور سلطان (کراچی) ۹۲ نمبر لیکر سوم رہے جب کہ سجاد حسین (سرگودھا) اور عبداللہ (خونگی) نے ۸۸ نمبر لیکر چوتھی پوزیشن حاصل کی۔

صلوۃ الظہر و طعام کے بعد یہ سہ روزہ تربیتی اجتماع صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب کے اختتامی کلمات پر اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو اور بالخصوص ناظمین کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا کہ وہ ان اجتماعات سے بھرپور استفادہ کریں' پوری توجہ کے ساتھ ہر پروگرام میں شریک ہوں اور جو چیزیں بتائی جاتی ہیں ان کے نوٹس لیا کریں' تقاریر کے کیسٹ حاصل کریں اور پھر اس سلسلہ کو اپنے اپنے حلقہ جات میں آگے بڑھائیں تاکہ تعلیم و تربیت کا یہ کام تمام ساتھیوں میں پھیلے اور اس دینی ذمہ داری سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے افراد کار پیدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا فرمائے (آمین)۔

دورہ سرحد و آزاد کشمیر

حسب سابق اس دورے کے سلسلے میں ۷ ستمبر ۹۳ء کو تقریباً ۳۵ ساتھیوں پر مشتمل ایک قافلہ بذریعہ بس صوبہ سرحد کے لئے روانہ ہوا جو اگلے روز شام کو مسجد توحید خونگی میں پہنچ کر ۹ ستمبر کو ہونے والے طلباء پروگرام میں شریک ہوا۔ جبکہ آٹھ دس ساتھیوں پر مشتمل دوسرا قافلہ امیر تنظیم کے ہمراہ عبدالرؤف صاحب کی وین کے ذریعے اسی روز صبح صلوۃ الفجر کے بعد کراچی سے روانہ ہو کر براستہ اوباوڑو' ترنڈہ' لاہور ۹ ستمبر کو عصر کے وقت کامل پور موسیٰ (اٹک) پہنچا جہاں مقامی ساتھی اجمل خان صاحب کے ہاں درس قرآن اور سوال و جواب کا پروگرام ہوا جس میں مقامی ساتھیوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی شرکت کی۔

کامل پور موسیٰ میں پروگرام کے بعد رات دس بجے خونگی کی طرف روانگی ہوئی جہاں ۱۰ ستمبر بروز جمعہ کا پروگرام طے تھا۔ خونگی میں صلوۃ الجمعہ کی ادائیگی کے علاوہ صبح سے لیکر رات تک بھرپور پروگرام رہا جس میں درس قرآن و حدیث' اصول تجوید' فہم القرآن' باہمی تعارف اور سوال و جواب شامل تھے۔

۱۱ ستمبر کی صبح خونگی سے شوحدڑہ (سوات) کیلئے روانگی ہوئی۔ اس طرح خونگی کے بعد ۱۱ تا ۱۵ ستمبر کو صوبہ سرحد کے مختلف مقامات پر پروگرام ہوئے جن میں شوحدڑہ (ضلع سوات)' کتیاڑی و شعبان (ضلع دیر)' گوجی عثمان خیل (درگئی)' تنخزانو کلے (ضلع مردان)' اور قاسم خیل باجہ (ضلع صوابی) شامل تھے۔ ان مقامات پر درس قرآن و حدیث' باہمی تعارف' سوال و جواب اور مختلف تقاریر کے پروگرام ہوئے۔ علاوہ ازیں بعض مقامات مثلاً کتیاڑی اور مردان شہر وغیرہ میں دعوت الی

اللہ کا پروگرام بھی ہوا جس میں دعوتی لٹریچر بھی کافی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔

صوبہ سرحد کے پروگرام کے بعد ۱۵ ستمبر کو عصر و مغرب کے درمیان ساتھی مسجد توحید راولپنڈی پہنچے۔ جہاں صلوٰۃ العشاء کے بعد تقریر اور سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔

راولپنڈی میں مختصر پروگرام اور رات قیام کے بعد ۱۶ ستمبر کو راولا کوٹ آزاد کشمیر پہنچے جہاں دو دن کا پروگرام طے تھا۔ راولا کوٹ میں ۱۷ ستمبر کو خطاب و صلوٰۃ الجمعہ کے علاوہ تربیتی پروگرام بھی ہوا۔ جس میں درس اور مطالعہ قرآن و حدیث' باہمی تعارف' سوال و جواب اور مختلف موضوعات پر تقاریر شامل تھیں۔ علاوہ ازیں جمعہ کے دن راولا کوٹ شہر میں دعوت الی اللہ کا پروگرام ہوا۔

راولا کوٹ میں دو روزہ پروگرام کے بعد ۱۸ ستمبر کی صبح کراچی اور سرحد و راولپنڈی کے ساتھی براستہ راولپنڈی واپس ہوئے جبکہ کچھ ساتھی امیر تنظیم کے ہمراہ میرپور کی طرف روانہ ہوئے جہاں مقامی ساتھیوں سے ملاقات اور مختصر پروگرام کے بعد رات مسجد توحید دھنڈر پہنچے۔ جہاں پر رات تقریر' باہمی تعارف' سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ اگلے دن صبح درس قرآن و حدیث اور اصول تجوید وغیرہ کا پروگرام ہوا۔

دھنڈر میں ہونے والے پروگرام میں بھتوائی کے ساتھی بھی شریک ہوئے جو دھنڈر سے ذرا فاصلے پر ایک دوسرا مقام ہے۔ یاد رہے کہ یہ دونوں مقامات آزاد کشمیر کی تحصیل بھمبر ضلع میرپور میں واقع ہیں۔ دھنڈر کے مقام پر دورہ سرحد و آزاد کشمیر اختتام پذیر ہوا۔ اور اس طرح ۱۹ ستمبر کو ۱۱ بجے دن کچھ ساتھی براستہ لاہور واپس کراچی روانہ ہوئے جبکہ امیر تنظیم چند ساتھیوں کے ہمراہ پنجاب اور بلوچستان کے مختصر دورے کے پروگرام پر میانوالی کی طرف روانہ ہوئے۔

دورہ پنجاب و بلوچستان

سرحد و کشمیر کے دورے کے اختتام پر امیر تنظیم' امیر صوبہ پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب اور کراچی و پنجاب کے چند ساتھیوں کے ہمراہ ۱۹ ستمبر کو رات کندیاں پہنچے جہاں درس قرآن اور سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ کندیاں (میانوالی) میں مختصر پروگرام و قیام کے بعد ۲۰ ستمبر کو ملازئی (تحصیل ٹانک ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں) میں ابو ہشام صاحب کے ہاں مقامی مسجد میں پروگرام ہوا۔ بعد ازاں رات کو دریا خاں (بھکر) میں عبدالخالق صاحب کے ہاں تقریر اور سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ دریا خاں بھکر میں رات قیام کے بعد ۲۱ تا ۲۳ ستمبر صبح تک مختلف مقامات پر درس قرآن و حدیث اور سوال و جواب کے پروگرام ہوئے جن میں بستی ٹب (تحصیل تونسہ) جام پور' پائیگاں' ڈیرہ غازی خاں اور تھانہ دراہمہ شامل تھے۔ بعد ازاں ۲۳ ستمبر کو کوژی (بلوچستان) کی طرف روانگی ہوئی جہاں پر دو روزہ پروگرام طے تھا۔ ۲۳ ستمبر کو شام سے ۲۵ ستمبر کی صبح تک مسجد توحید کوژی میں قیام رہا جس کے دوران درس قرآن و حدیث باہمی تعارف اور سوال و جواب کے علاوہ خطاب و صلوٰۃ الجمعہ کی ادائیگی بھی شامل تھی۔

اس طرح سرحد و آزاد کشمیر کے ساتھ ساتھ پنجاب اور بلوچستان کے مختصر دورے کے اختتام پر ۲۵ ستمبر کو براستہ ترنڈہ (رحیم یار خاں) اور کندھکوٹ (سندھ) واپس کراچی کیلئے روانگی ہوئی۔ ★ ★ ★

سچی بات یہ ہے کہ اصلی دین تو اس برصغیر ہندو پاکستان میں کبھی آیا ہی نہیں وہ جو محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ لائے تھے اس کے آثار بہت جلد مٹ گئے۔ اس ملک میں تو توحید کے ماننے والوں کے بجائے ذات خداوندی کے ساتھ "اتحاد" کا عقیدہ رکھنے والے اہل طریقت نے قرآن و حدیث کے اسلام کو اپنے رنگ میں پیش کیا اور دینداری کے بعض ظواہر کے ذریعے اسے ایسا کیمافلاج (CAMAUFLAGE) کیا کہ ایک عالم اس کے دام میں آ گیا۔ پھر خانقاہیں بنیں، ہاؤ ہو کی محفلیں گرم ہوئیں، قبریں اونچی کی گئیں، قبے وجود میں آئے، اور عرسوں میلوں کی دھوم مچ گئی۔ پیشانیوں میں سجدہ ہائے تعظیمی اور جبینوں میں نذرانے مچلنے لگے۔ قرآن و حدیث کی جگہ ملفوظات و مکتوبات ارادت نے لے لی۔ "حضرت" فنا فی اللہ ہو کر کبریائی کے سنگھاسن پر بیٹھے اور اپنے پیچھے قیامت تک کے لئے خدائی کی ایک گدی اور کردگاری کی ایک میراث چھوڑ گئے۔ پھر کہیں جا کر اسلام کی شوکت پارہ پارہ ہوئی، عصمتوں کے کفن کے تار ہوا میں بکھرے۔ نونہالوں کے گرم و سیال خون کو دھرتی نے چوسا اور گلی گلی بنی۔ بستیوں سے دھواں اٹھا اور کھیتوں میں آگ لگی۔ سبائی فتنہ گروں نے یقینی کامیابی کی خوشی میں قہقہے لگائے، بالآخر اس اتحادی دین کی فتح اور اپنی ناکامی پر اسلام کا دمکتا ہوا چہرہ اتر گیا۔

دنیا والے زمانۂ حال کے یہودی دماغ پر عش عش کرتے ہیں کہ کس طرح اس نے سائنس کے کلیات و بدیہات تک کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اور اپنے ایک سادہ سے فارمولے کے ذریعہ ثابت کر دکھایا کہ سائنس والوں کا صدیوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ مادہ ناقابل تلف ہے اور یہ کہ مادہ بہر حال مادہ ہی رہے گا توانائی میں تبدیل ہو جانا ممکن نہیں۔ اس جرمن یہودی نے ثابت کر دکھایا کہ مادہ تلف ہو کر توانائی کی صورت اختیار کر سکتا ہے اور یہ جو پہلے کہا جاتا تھا کہ سائنس کے لحاظ سے مادہ کی بربادی ممکن نہیں ہے اس لئے کائنات کا برباد ہونا، اور قیامت کا آنا بھی امر محال ہے یہ بات باقی نہ رہی اور سائنس کے لحاظ سے بھی قیامت کا وقوع ممکنات کے دائرہ میں آ گیا۔

شروع شروع میں اس بات کو ماننے میں تامل ہوتا رہا لیکن جب جاپان کے دو شہروں نے صفحۂ ہستی سے مٹ کر اس کی صداقت کی گواہی دے دی تو دنیا والوں کو مانے بغیر چارہ نہ رہا۔

کس قدر سادہ تھی اس جرمن یہودی سائنسداں کی مساوات (EQUATION) $E=MC^2$ (یا) ا = م س۲ (الف سے توانائی، م سے وزن مادہ اور س سے مراد رفتار روشنی)

لیکن حیف اس دنیا پر کہ اس نے تیرہ سو برس پہلے گزرے ہوئے اس عجمی یہودی کی کچھ قدر نہ کی جس نے اس سے زیادہ سادہ مساوات کے ذریعہ دو شہر نہیں، دو عالم تہ و بالا کر ڈالے اور قرآن و حدیث کے مقابلے کے لئے ایک ایسے اتحادی دین کی داغ بیل ڈالی جس نے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکمل غلبہ اور پوری سرفرازی حاصل کر کے قرآن و حدیث کا راستہ روک دیا۔ وہ سادہ تر مساوات یوں تھی: خ = پ آ۳ یعنی خدائی = پیر کامل × اتحاد ثلاثہ۔ پھر اس آفاقی فارمولے کے ذریعے وہ بزرگ و برتر ذاتیں عالم واقعہ میں نمودار ہوئیں جن کی آج دھوم مچی ہوئی ہے۔ دہرے غم انہوں نے سہے، کبھی خدائی کی دردِ سری انگیز کی اور کبھی بندگی کے دردِ جگر میں وہ مبتلا رہے۔

(ماخوذ:۔ ایمانِ خالص قسطِ اول)

حدیثِ بُخاری

...... ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ صُور کی دوؔ پھُونکوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ چالیس؟ دن کا وقفہ؟ ابوہریرہ نے جواب دیا نہیں کہہ سکتا۔ پھر کہنے والے نے کہا چالیس؟ مہینوں کا وقفہ، کہا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پوچھنے والے نے پھر کہا کہ کیا چالیس؟ سال کا وقفہ۔ ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا (لیکن اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا ہے کہ) اس وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا اور لوگ اس طرح اُگ پڑیں گے جیسے سبزہ اُگتا ہے **انسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو برباد نہ ہوجائے** سوائے ایک ہڈی "عَجبُ الذَنَب" کے، اور اسی سے جسم انسانی کو پھر بنایا جائے گا۔

(صہ ۷۳۵ - بخاری مطبوعہ دہلی)

- قرآن کی طرح بخاری کی یہ حدیث بھی یہی بیان کرتی ہے کہ دنیاوی جسم کو مٹی کھالیتی ہے سوائے عجب الذنب کے، جس پر قیامت کے دن دوبارہ جسم عنصری کی بنیاد رکھی جائے گی اور پھر اُسے میدان حشر میں فیصلہ کیلئے حاضر کیا جائیگا
- قرآن وحدیث کے فیصلے کے مطابق جب قیامت سے پہلے دنیاوی قبر میں اس جسم عنصری میں روح نہیں لوٹتی تو پھر....
- اس دنیاوی قبر میں سوال وجواب کیسا؟
- پھر مردے کا احساس راحت والم کیونکر؟
- اصل بات تو یہ ہے...... جو شخص وفات پاجاتا ہے اس کو حسب حیثیت عالم برزخ میں جسم ملتا ہے جس سے سوال وجواب ہوتا ہے اور اس پر عذاب وراحت کا دور گزرتا ہے۔
- اور یہی اصل قبر ہے۔